ائمہ اربعہ

پروفیسر خالد پرویز

BEACON
BOOKS

نام سے اللہ کے کرتا ہوں آغازِ بیاں
جو بڑا ہی رحم والا ہے نہایت مہرباں

Marfat.com

ائمہ اربعہ

(امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تک)

پروفیسر خالد پرویز

بیکن بکس
• قذافی مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 042 - 7351662
• گلگشت، ملتان فون : 061 - 520790, 520791
BEACON BOOKS
E-mail:beaconbookspakistan@hotmail.com

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ بیکن بکس/مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت لئے بغیر کہیں بھی شائع نہ کیا جائے۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورت حال پیدا ہوتی ہے تو پبلشر/مصنف کو قانونی کارروائی کا حق حاصل ہوگا۔

۲۹۷،۹۹۲۱
ع ۱۹ خ
69896

اشاعت : 2004ء

عبدالجبار نے
شرکت پرنٹنگ پریس سے
چھپوا کر بیکن بکس ملتان-لاہور
سے شائع کی۔

قیمت : -/140 روپے

ISBN 969 - 534 - 024 - 5

انتساب

امام کائنات

فخر موجودات

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے نام

پروفیسر خالد پرویز
11/6 فیصل اسٹریٹ، گلگشت ملتان
061-522252 / 0300-6302548

Marfat.com

آئینہ

صفحہ نمبر

1. حضرت امام ابو حنیفہؒ 9
2. حضرت امام مالکؒ 103
3. حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ 135
4. حضرت امام احمد بن حنبلؒ 155

Marfat.com

Marfat.com

حضرت امام ابو حنیفہؒ

منادی کرنے والا حدود مملکت کے چہار جانب اعلان کرتا ہے کہ خلیفۂ وقت کے دربار میں جو شخص ان تین سوالات کے تسلی بخش اور تشفی آمیز جوابات دے گا اُسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ دراصل یہ وہ سوالات ہیں جو اس شرط پر ایسے افراد کی طرف سے کئے گئے ہیں کہ اگر انہیں ان سوالات کے جوابات دے دیئے گئے تو وہ نبیٔ آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کو دل و جان سے قبول کرلیں گے۔

سوالات کرنے والوں نے یونہی شرط نہیں رکھ دی۔ انہوں نے اپنی تمام تر ذہانت صرف کی ہے۔ عقل و خرد کے مقدور بھر فاصلے طے کر کے ایسے سوالات ترتیب دیئے ہیں کہ دوسرا لاجواب رہے۔ اور خلیفۂ وقت نے بھی ایسے ہی انعام نہیں رکھ دیا۔ سوالات اپنی جامعیت اور وسعت میں اک جہان معنی رکھتے ہیں اور ان کے جوابات دینا بظاہر مشکل ترین امر محسوس ہوتا ہے۔

منادی کرنے والا سوالات بتاتا ہے کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ اس وقت کیا کر رہا ہے؟

(۲) اللہ تعالیٰ سے پہلے کیا تھا؟

(۳) اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت کیسی ہے؟

Marfat.com

لمحات کروٹیں بدل رہے ہیں۔ ساعتیں سرعت کے ساتھ جاری و ساری ہیں۔ وقت کا کارواں تیزی سے رواں دواں ہے مگر خلیفۂ وقت کے دربار ذی وقار میں سناٹا ہے۔ خاموشی ہے۔ کوئی مرد فہم و فراست آگے نہیں بڑھ رہا کہ جو تینوں سوالات کے جوابات دے سکے تاہم دین اسلام کی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر شخص سوچ میں مستغرق ہے۔ سوالات کے جوابات تلاش کرنے میں محو ہے۔ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک، غریب سے لے کر امیر تک، شاگرد سے لے کر اُستاد تک، متعلم سے لے کر عالم تک ہر کوئی اس دھن میں مگن ہے کہ وہ دربار خلافت میں سب سے پہلے جا کر ان سوالات کے قابل قبول جوابات دے کر نہ صرف اپنی ذہانت کا سکہ جمائے، شہرت و عزت اور نام کمائے بلکہ منہ مانگا انعام بھی پائے۔

س سوچ و بچار جاری ہے کہ اتنے میں ایک لڑکا دربار میں پہنچتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ تینوں سوالوں کے اطمینان آفریں جوابات دے سکتا ہے۔ اس لڑکے کی عمر بمشکل بارہ سال ہے۔ خلیفہ حیران بھی ہوتا ہے اور متعجب بھی کہ بھلا ایک نوعمر لڑکا کہاں اور اتنے مشکل سوالات کہاں! خلیفہ پہلے تو کچھ توقف اختیار کرتا ہے، لمحہ بھر کے لیئے سوچتا ہے مگر پھر وہ لڑکے کو جوابات دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔

س سوالات کے جوابات دینے سے پہلے نوعمر لڑکا پوچھتا ہے "جواب دینے سے پہلے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سوال کرنے والا کون ہے؟" خلیفہ کہتا ہے "یہ سوال ہم کر رہے ہیں۔" خلیفۂ وقت سے لڑکا کہتا ہے "چونکہ اب آپ سوالی ہیں اس لیئے یہ ضروری ہے کہ آپ اس جگہ کھڑے ہو کر سوال کریں جہاں دوسرے لوگ کھڑے ہو کر آپ سے سوال کرتے ہیں اور مجھے اس جگہ بیٹھنے دیا جائے جہاں آپ بیٹھ کر لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتے ہیں اور انصاف کرتے ہیں۔"

خلیفۂ وقت کے لیئے اس نوعمر لڑکے کا یہ مطالبہ اگرچہ سخت اور بھاری ہے مگر وہ جوابات سننے کے اشتیاق میں اپنی مسند سے اُتر آتا ہے اور نوعمر لڑکے کو اپنی جگہ بیٹھنے کی اجازت دے دیتا ہے۔

خلیفۂ وقت کے عام آدمی کی جگہ پر کھڑے ہونے اور نوعمر لڑکے کے مسند مملکت

پر بیٹھنے کے بعد لڑکا کہتا ہے ''ہاں اب باری باری اپنے سوالات پیش کرو۔''

خلیفہ کہتا ہے ''میرا پہلا سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کیا کر رہا ہے؟''

لڑکا جواب دیتا ہے ''غور کرو کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا کام نہیں ہے کہ ایک نوعمر لڑکے کو مسند حکومت پر بٹھا دیا ہے اور بادشاہ کو ایک معمولی آدمی کی جگہ کھڑا کر دیا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ اس وقت یہی کچھ کر رہا ہے۔''

بے پناہ ذہانت اور لاجواب فطانت کا بے مثل جواب سن کر خلیفہ حیرت زدہ بھی ہوتا ہے اور مطمئن بھی۔ اُس کے چہرے پر مسرت و استعجاب کی قوس قزح رنگ بکھیرنے لگتی ہے اور وہ فوراً ہی دوسرا سوال پوچھتا ہے کہ ''اچھا اب یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کیا تھا؟''

لڑکا کہتا ہے ''اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیئے آپ ایک سے دس تک گنتی گنیئے۔'' سوال کرنے والے بادشاہ سلطنت کو یہ بات انتہائی آسان معلوم ہوتی ہے اور وہ فوراً گنتی گننا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے ہی وہ دس تک پہنچتا ہے تو لڑکا کہتا ہے ''اب یوں کیجیئے کہ اُلٹی گنتی گننا شروع کیجیئے یعنی دس کے بعد نو اور نو کے بعد آٹھ لیکن شرط یہ ہے کہ جب تک میں رُکنے کے لیئے نہ کہوں آپ رکیئے نہیں بلکہ مسلسل گنتے جایئے۔''

سربراہ سلطنت تیزی کے ساتھ الٹی گنتی گننا شروع کر دیتا ہے لیکن جب ''ایک'' پر پہنچتا ہے تو اُسے مجبوراً رُکنا پڑتا ہے۔ جیسے ہی سربراہ مملکت 'ایک' پر رُکتا ہے تو لڑکا فوراً بول پڑتا ہے ''آپ رُک کیوں گئے۔ میں نے یہ شرط لگائی تھی کہ جب تک میں رُکنے کے لیئے نہ کہوں آپ گنتی جاری رکھیئے گا۔''

بادشاہ جواب دیتا ہے ''لیکن ایک سے پہلے کیا گنوں۔ اس سے پہلے تو کچھ نہیں ہے'' لڑکا کہتا ہے ''اے سائل بادشاہ! یہی تو تیرے سوال کا جواب ہے۔ جس طرح ایک سے پہلے کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ ہی تھا اور کچھ نہیں تھا۔'' یعنی نہ تھا کچھ تو خدا تھا نہ ہوتا کچھ تو خدا ہوتا۔

بادشاہ سلامت کو نوعمر اور کم سن مگر بالغ نظر اور زود فہم لڑکے کے جوابات از حد پسند آتے ہیں اور کلمات تحسین و آفرین ادا کرنے لگتا ہے۔ اُسے دو سوالوں کے انتہائی

Marfat.com

مدلل اور پُرمغز جوابات مل چکے ہیں جن سے اُسے دلی اطمینان اور ذہنی سکون میسر آیا ہے۔ اب اُسے یقین ہے کہ تیسرے سوال کا جواب بھی تشفی بخش ہوگا۔ وہ جلدی سے تیسرا سوال پوچھتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت کیسی ہے؟"

نوعمر مگر پختہ ذہن لڑکا دربار میں روشن قندیلوں میں سے ایک قندیل کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے:

"جس طرح اس گول قندیل کے بارے کوئی بھی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ اس کی دائیں طرف کونسی ہے اور بائیں کون سی؟ اس لیئے کہ یہ چاروں طرف سے بالکل ایک ہی صورت رکھتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صورت کے بارے کسی قسم کا اندازہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ بس ہمیں تو یہی ایمان رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بالیقین ہے اور جس طرح قندیل کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نور سے ہر شے منور و روشن ہے۔"

بارہ سالہ لڑکے کے ان جوابوں کی ہر شخص نے تعریف وتوصیف کی۔ یہ ذہین و فطین لڑکا کون تھا؟ یہ وہی لڑکا تھا جو بڑا ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کی حیثیت سے تاریخ اسلام میں اس کا نام روشن ہوا۔

آپؒ کا نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ جبکہ لقب امام اعظم ہے۔ آپؒ کی کنیت "ابو حنیفہ" کسی اولاد کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ کنیت وصفی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد رب العزت ہے:

واتبعوا ملة ابراهيم حنيفا

یعنی "ابراہیم حنیف کی ملت کا اتباع کرو"

آپؒ نے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار فرمائی اور وہ رب رحمٰن ورحیم کے فضل وکرم سے اصل نام "نعمان" پر غالب آ گئی اور یوں آپؒ ابوحنیفہ کے نام سے مشہور ومقبول ہوئے۔

Marfat.com

علامہ موفق نے ''مناقب ابی حنیفہ'' میں، شیخ محمد ابوزہرہ مصری نے ''حیاۃ امام ابو حنیفہ'' میں اور دیگر مورخین اور اصحاب سیر نے بالاتفاق آپ کا سن ولادت 80 ہجری درج کیا ہے۔ ''حدائق الحنفیہ'' صفحہ 17 پر مولانا فقیر محمد نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا سلسلہ نسب نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن نوشیرواں تحریر کیا ہے جبکہ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''تاریخ بغداد'' میں اور علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی کتاب ''سیرت النعمان'' میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیل کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے۔ آپؒ کے پوتے بیان کرتے ہیں کہ:

''میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں۔ ہمارے دادا ابو حنیفہؒ 80 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ہم لوگ کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔''

حافظ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب ''خیرات الحسان'' میں آپؒ کے پوتے یعنی اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ سے ایک روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''خدا کی قسم ہم کبھی غلام نہیں تھے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مولد شہر کوفہ ہے۔ یہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کا دور سلطنت تھا۔ اُس وقت کوفہ کا کوچہ کوچہ دارالعلم بنا ہوا تھا۔ ہر جانب دینی حلقے قائم تھے۔ علمی مجالس کا انعقاد روز کا معمول تھا۔ اسی ماحول میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہوش سنبھالا۔ آپؒ نے بچپن میں مکہ مکرمہ میں ایام حج میں ایک صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن حارثؓ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور اُنؓ سے ایک حدیث سن کر اس کی روایت بھی کی۔ ''مسند ابی حنیفہ'' صفحہ 25 پر ہے کہ:

''امام ابوحنیفہؒ نے بیان کیا ہے کہ میں نے 96 ہجری میں اپنے والد محترم کے ہمرکاب حج کیا۔ اُس وقت میری عمر 16 سال تھی۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو ایک حلقۂ درس دیکھا۔ میں نے والد محترم سے پوچھا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟

Marfat.com

انہوں نے بتایا کہ یہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
عبداللہ بن حارثؓ کا حلقہ ہے۔ یہ سن کر میں آگے بڑھا تو میں
نے حضرت عبداللہ بن حارثؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں
نے رسول مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا ہے کہ جو شخص اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کرے گا اللہ
تعالیٰ اس کی مہمات کے لیئے کافی ہوگا اور اُس کو بے گمان
روزی دے گا۔"

قاضی اطہر مبارک پوری نے "سیرت ائمہ اربعہ" میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی حج کے وقت عمر 16 سال کی بجائے چھ سال بیان کی ہے اور اسے اعداد وشمار کی تاریخی سہو قرار دیا ہے جبکہ علامہ علاؤ الدین اپنی کتاب "دُرمختار" میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کل 55 حج کیئے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تابعیت مختلف اسلامی سوانح نگاروں کے مابین از حد اہمیت کی حامل ہے۔ حافظ المزی نے "معجم المصنفین" (جلد دوم صفحہ 23) میں بیان کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ملاقات 72 صحابہ کرامؓ سے ہوئی ہے۔ اسی طرح خطیب بغدادی، ابن جوزی، ذہبی، ابن حجر اور سیوطی بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تابعیت پر متفق ہیں تاہم اس امر میں اختلاف ہے کہ آپؒ نے جن صحابہ کرامؓ سے شرف ملاقات حاصل کیا اُن کی تعداد کتنی تھی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ آپ کے آباء واجداد ریشم اور ریشمی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بھی اسی کو کسب معاش کا ذریعہ بنایا۔ آپؒ نہ تو کبھی امراء وسلاطین کے عطیات کے شرمندۂ احسان ہوئے اور نہ ہی شاگردوں اور عقیدت مندوں کے مرہون منت ہوئے بلکہ تلامذہ اور غرباء ومساکین کی ہمیشہ خبر گیری اور مدد کی۔ ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کیں اور لاوارث و نادار افراد سے ہر ممکن تعاون کیا۔ ابوزہرہ مصری اپنی کتاب "حیاۃ ابوحنیفہؒ" صفحہ 28 پر لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ریشمی کپڑے کی تجارت کا لاکھوں کا کاروبار تھا اور عراق و

Marfat.com

شام، ایران و عرب کو مال سپلائی کیا جاتا تھا۔ مگر اتنے پھیلاؤ اور وسعت کے باوجود حسن انتظام اس قدر تھا کہ ایک درم کا بھی اشتباہ نہیں ہوتا تھا۔

تجارتی امور کی انجام دہی میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اکثر شہروں اور بازاروں میں متحرک رہتے تھے۔ علامہ موفق اپنی کتاب ''المناقب'' جلد اول صفحہ 59 پر رقمطراز ہیں کہ ایک دن بازار سے گزرتے ہوئے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ملاقات حضرت امام شعبیؒ سے ہوگئی۔ حضرت امام شعبیؒ نے آپؒ سے دریافت فرمایا ''صاحبزادے کیا کرتے ہو؟ کہاں آتے جاتے رہتے ہو؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا: تجارت مشغلہ ہے۔ اس لیئے سوداگروں کے پاس آمد و رفت رہتی ہے۔'' حضرت امام شعبیؒ نے پوچھا: ''کیا علماء کے پاس بھی آتے جاتے ہو یا نہیں؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا: ''میں ان کے پاس کم آتا جاتا ہوں۔''

حضرت امام شعبیؒ: کو جوہر کی تلاش تھی۔ انہیں در نایاب نظر آیا تو انہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو علم کی ترغیب دی۔ حضرت امام شعبیؒ کی زبان میں اس قدر تاثیر اور کلام میں ایسا پاکیزہ جادو تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ: ''میرے دل میں حضرت امام شعبیؒ کی بات گھر کر گئی اور یوں میں نے بازار کی آمد و رفت چھوڑ کر پوری یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔''

اُس وقت حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عمر مبارک کیا تھی جب آپؒ نے حضرت امام شعبیؒ کی تلقین و تحریص پر علم حاصل کرنا شروع کیا؟ اس بارے مؤرخین و محققین خاموش ہیں حتیٰ کہ ابو زہرہ مصری اور علامہ شبلی نعمانی جیسے کہنہ مشق محققین نے بھی اس ضمن میں سکوت اختیار کیا ہے۔ تاہم اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے سب سے پہلے ''علم کلام'' سیکھنے سے ابتداء کی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اولاً علم کلام کیوں سیکھا؟ اس کا بہترین جواب علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب ''سیرت النعمان'' میں اس طرح دیتے ہیں کہ:

''اس وقت تک علم جس چیز کا نام تھا وہ ادب، انساب، فقہ، حدیث، کلام تھا۔ علم کلام آج کل کا علم کلام نہ تھا کیونکہ اس

Marfat.com

عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا۔ علم کلام زمانہ
نابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہو
گیا لیکن اُس وقت تک اس کی تحصیل کے لیئے صرف قدرتی
ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں اور قدرت نے حضرت
امام ابو حنیفہؒ میں یہ سب باتیں جمع کر دی تھیں۔ رگوں میں
ایرانی خون، طبیعت میں زور اور جدت تھی۔ مذہبی روایتیں
کوفہ میں ایسے عام تھیں کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ
لوگوں میں بیٹھ کر حاصل کر سکتا تھا۔''

یہ امر تحقیق طلب ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کتنے عرصہ تک علم کلام کے ساتھ رغبت رکھی۔ ابوزہرہ مصری نے اس ضمن میں حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت نقل کی ہے جسمیں آپؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک زمانہ تک علم کلام میں مشغول رہا اور ایک مدت
تک لوگوں سے مناظرے کیئے حتیٰ کہ بیس دفعہ بصرہ جانے کا
اتفاق ہوا اور وہاں کبھی سال بھر اور کبھی کم یا زیادہ قیام کیا۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ علم کلام سے فقہ کی جانب کیسے متوجہ ہوئے؟ اس ضمن میں علامہ الموفق نے ''المناقب'' جلد اول صفحہ 61 پر بتایا ہے کہ ایک دن حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنی دکان پر بیٹھے تھے۔ حسب معمول تجارت چل رہی تھی کہ ایک عورت آپؒ کے پاس طلاق کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنے آئی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا اور اس عورت کو حضرت امام حمادؒ کے حلقہ درس کی راہ دکھائی جو آپؒ کے مکان کے قریب تھا۔ آپؒ نے اس عورت سے یہ بھی کہا کہ حضرت امام حمادؒ اس ضمن میں جو ارشاد فرمائیں وہ مجھے بھی بتانا۔ چنانچہ وہ عورت فوراً حضرت امام حمادؒ کے پاس پہنچی اور واپسی پر وہ جواب حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بتا دیا جو حضرت امام حمادؒ نے اس عورت کو دیا تھا۔ اس سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو از حد افسوس ہوا کہ وہ ایک عورت کے سوال کا جواب نہیں دے سکے اسی وقت آپؒ نے فیصلہ کر لیا کہ فقہ سیکھیں گے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ

Marfat.com

خود فرماتے ہیں کہ ''ایک عورت نے مجھے فقیہ بنا دیا۔''

اب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت امام حمادؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اُنؒ کے حلقہ درس میں پہنچ گئے۔ حضرت امام حمادؒ کے حلقہ درس میں تلامذہ اپنے اُستاد محترم کی گفتگو اور تقریر کو بغور سنتے اور اسے حافظہ میں محفوظ کر لیتے یا لکھ بھی لیتے۔ حضرت امام حمادؒ کے حلقہ درس میں یہ بھی دستور تھا کہ تلامذہ کی نشست میں ایک خاص ترتیب ہوتی تھی۔ قدیم اور ذہین طلباء کو اگلی صف میں نشستیں دی جاتی تھیں لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے تبحر علمی کے باعث دوسرے روز ہی حضرت امام حمادؒ کے حلقہ درس میں صف اوّل میں جگہ حاصل کر لی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے استاد مکرم حضرت امام حمادؒ کے حلقہ درس میں شریک رہے اور اپنی علمی قابلیت، ذہنی اُپج اور خداداد فطانت کے باعث استاذ کو گرویدہ کر لیا۔ استاذ کی نگاہوں میں آپؒ کی قدر و منزلت روز بروز فزوں تر ہوتی گئی حتیٰ کہ ایک دن آپؒ کے استاذ محترم حضرت امام حمادؒ نے برملا کہہ ہی دیا:

''اے ابو حنیفہؒ! تو نے مجھے خالی کر دیا۔''

(المناقب الموفق صفحہ 65)

علامہ بدرالدین عینی اپنی کتاب ''البنایہ'' جلد اوّل صفحہ 325 پر رقمطراز ہیں کہ ایک دفعہ دونوں حضرات یعنی اُستاد اور شاگرد حضرت امام حمادؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اکٹھے ایک سفر پر رواں دواں تھے۔ اتنے میں عصر کی نماز کا وقت قریب آ گیا۔ دونوں ایک مناسب مقام پر رُک گئے مگر وہاں بظاہر دور دور تک پانی کا نام و نشان نہیں تھا کہ جس سے وضو کیا جائے۔ حضرت امام حمادؒ نے وہاں تیمم کیا اور عصر کی نماز ادا کر لی مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نہ تیمم کیا اور نہ ہی نماز ادا کی بلکہ اپنے اُستاذ محترم حضرت امام حمادؒ کے نماز ادا کرنے کے بعد سفر دوبارہ سے شروع کر دیا اور پانی ملنے کی امید پر نماز کو آخری وقت مستحب تک مؤخر رکھا۔ سفر جاری تھا کہ آگے چل کر اچانک پانی مل گیا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کو جیسے ہی پانی میسر آیا تو آپؒ نے وضو کیا اور وقت مستحب کے دوران ہی نماز عصر ادا کر لی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا فرمان ہے کہ ایسے شخص

Marfat.com

کو کہ جسے آخری وقت مستحب تک پانی ملنے کی امید ہو نماز کو مؤخر کر دینا چاہیئے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استاذ محترم حضرت امام حمادؒ نے آپؒ کے اس اجتہاد کی تعریف و تحسین کی اور اس خوشی کا اظہار کیا کہ اُن کا شاگرد عزیز ابو حنیفہؒ اجتہاد میں مہارت تامہ حاصل کرتا جا رہا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے اُستاد محترم حضرت امام حمادؒ کے درس میں اُستاذ ہی کے کہنے پر روزانہ صرف تین مسائل پر احادیث و آثار اور روایت و درایت کی روشنی میں بحث و تمحیص میں حصہ لیتے تھے۔ باقی وقت آپؒ دوسرے علماء و محدثین کی مجالس میں جا کر گزارتے تھے اور ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے جن میں علم حدیث و فقہ خاص موضوعات ہوتے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے سوانح نگاروں نے آپؒ کے شیوخ حدیث کی فہرست میں بہت سے نام گنوائے ہیں۔ حافظ ابو بکر محمد بن عمر جبالی نے ''کتاب الانتصار'' میں خاص طور پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شیوخ کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح شیخ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی دمشقی نے ''تسہیل السبیل'' میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شیوخ کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے۔ جبکہ انہوں نے ''عقود الجمان'' صفحہ 63 تا 87 پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شیوخ کے اسمائے گرامی حروف تہجی کے تحت شمار کئے ہیں جن کی تعداد 280 ہے مگر علامہ شامی نے ''شرح درمختار'' میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے 4 ہزار اساتذہ تھے کیونکہ ان دنوں کوفہ اور بصرہ علوم کے مراکز تھے اور علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اپنا بیان ہے کہ:

> ''میں نے کوفہ اور بصرہ کا کوئی محدث نہیں چھوڑا جس کے پاس میں نہ گیا ہوں اور اُس سے کچھ نہ کچھ سیکھا ہو۔''

شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اساتذہ کی تعداد 290 بتائی ہے۔ بہر حال یہ طے ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے زمانے کے ہر محدث اور صاحب علم کے پاس جا کر سیکھا اور یوں علم حدیث و فقہ میں مہارت حاصل کی اور یہ آپؒ کی خوش بختی تھی کہ آپؒ کو انتہائی معتبر اور ارفع مقام

Marfat.com

اساتذہ کی صحبت نصیب ہوئی اور ان سے فیضان حاصل کرنے کے مواقع میسر آئے۔ علامہ الموفق نے ''المناقب الامام ابی حنیفہ'' جلد اول صفحہ 53 پر حضرت امام ابو حنیفہ کا ایک قول نقل کیا ہے جسمیں آپ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت امام جعفر صادق سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔''

حضرت امام جعفر صادق اہل بیت اور خاندان رسالت سے ہیں۔ آپ اپنے زمانہ میں ہر اعتبار سے امام فن اور صاحب کمال سمجھے جاتے تھے۔ صحاح ستہ میں متعدد روایات آپ سے منقول ہیں۔

ابو زہرہ اپنی کتاب ''حیاۃ امام ابو حنیفہ'' (صفحہ 25) میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں نے اپنے اُستاد حضرت امام حمادؒ سے بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ اب کیوں نہ اپنا حلقۂ درس علیحدہ قائم کرلوں؟ اسی اثناء میں میرے اُستاد محترم حضرت امام حمادؒ کے کسی قریبی عزیز کا بصرہ میں انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے انہیں بصرہ جانا پڑا۔ میرے اُستاذ محترم نے مجھ پر کمال شفقت و مہربانی کی کہ انہوں نے اپنی عدم موجودگی میں مجھے اپنا نائب مقرر فرما دیا۔ اتفاق سے بصرہ میں انہیں دو ماہ قیام کرنا پڑا۔ اس مدت میں لوگوں نے مجھ سے قسم قسم کے سوالات کیے اور میں اپنے علم کے مطابق انہیں جوابات دیتا رہا۔ تاہم میں نے وہ سوالات اور اپنے جوابات علیحدہ کاغذات پر لکھ لیئے تاکہ جب اُستاذ محترم واپس آئیں تو ان کو دکھا سکوں۔ اُستاذ محترم حضرت امام حمادؒ کے واپس تشریف لانے پر میں نے وہ کاغذات اُن کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اُستاذ محترم نے میرے جوابات کا مطالعہ کیا جن میں کل 80 جوابات میں سے 40 کی تصویب اور 40 کی

تغلیظ فرمائی۔ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو میں نے
مصمم ارادہ کرلیا کہ کبھی بھی اُستاذ محترم کا حلقۂ درس ترک نہیں
کروں گا۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے استاذ محترم حضرت امام حمادؒ کا ازحد ادب و احترام کرتے تھے۔ الموفق کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بیان ہے کہ:

''میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ جسمیں رب غفور و رحیم
سے اپنے والدین کے ساتھ اپنے اساتذہ اور خاص طور پر
حضرت امام حمادؒ کے لیئے دعائے مغفرت نہ کی ہو۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے استاذ محترم حضرت امام حمادؒ کا اس حد تک احترام کرتے تھے کہ جب تک حیات رہے اپنے استاذ مکرم کے مکان کی طرف پیر پھیلا کر نہیں سوئے۔

جس طرح تفقہ فی الدین میں حضرت امام حماد بن ابی سلیمانؒ آپؒ کے شیخ اکبر ہیں اسی طرح ذہبی کے بقول حضرت امام عامر بن شرجیل شعبیؒ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شیخ اکبر ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ 75)

حضرت امام ابو حنیفہؒ تفقہ واجتہاد میں انتہائی افضل و برتر مقام رکھتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ تفقہ واجتہاد کا دارومدار کتاب وسنت پر ہے۔ اس کے بغیر کوئی عالم کبھی بھی فقیہ و مجتہد نہیں ہوسکتا البتہ وہ حدیث مبارکہ کی روایت کے ساتھ ساتھ حدیث کی درایت اور اُس سے مسائل کے استخراج پر زیادہ زور اور توجہ دیتا ہے اور یوں فکر ونظر کے بے شمار در وا کرنے میں اپنا فعالی کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیئے ہر فقیہ و مجتہد کا محدث ہونا ضروری ہے۔

''اخبار ابی حنیفہ والصحابہ'' میں قاضی ابو عبداللہ حسینی بن علی صیمری بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت امام اعمشؒ آپؒ کے استاد حدیث تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے استاد محترم حضرت امام اعمشؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو استاد محترم نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے کئی علمی سوالات

جبکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس موقع پر ہر سوال کے جواب پر حضرت امام اعمشؒ کہتے تھے کہ "تم یہ جواب کس دلیل سے دے رہے ہو؟" اس پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کا جواب یہی ہوتا تھا کہ "استاد محترم! آپؒ ہی سے روایت کردہ احادیث سے جواب دے رہا ہوں۔" آخر میں حضرت امام اعمشؒ نے کہا:

اے فقہاء! آپ لوگ طبیب ہیں اور ہم دوا فروش ہیں۔"

اسی واقعہ کو خطیب بغدادی نے "الفقیہ و المتفقہ" جلد دوم صفحہ 74 پر جبکہ شمس الدین ذہبی نے "مناقب ابی حنیفہؒ و صاحبیہ" صفحہ 21 پر بھی بیان کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسفؒ کا بیان ہے کہ:

"میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جو حدیث کی تشریح اور اُس کے فقہی اسرار و حکم کا ابوحنیفہؒ سے زیادہ جاننے والا ہو۔ میں نے بعض مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کر کے ان میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نقطہ نظر درست ہے۔

(اخبار ابی حنیفہ والصحابہ صفحہ 11، تاریخ بغداد جلد 13 صفحہ 340)

حضرت امام ابوحنیفہؒ احادیث کے ناسخ و منسوخ کی جانچ میں بہت شدت اور عرق ریزی سے کام لیتے تھے اور ان کے روایتی و درایتی معیار کے مطابق ہی احادیث پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ وہ علمائے کوفہ کی احادیث و فقہ کی دسترس اور وسعت علم کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن داؤد خریبیؒ کہا کرتے تھے کہ "اہل اسلام پر فرض ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ انہوں نے مسلمانوں کے لیئے احادیث اور فقہ کو محفوظ کر دیا ہے۔" (عقود الجمان صفحہ 194)

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ "امام ابوحنیفہؒ صرف صحیح حدیث کو لیتے تھے۔ حدیث کے ناسخ و منسوخ کا پختہ علم رکھتے تھے۔ ثقہ راویوں سے روایت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری عمل اور اہل کوفہ کے مسلک پر عمل کرتے تھے

Marfat.com

اور اسی کو دین بناتے تھے۔" (عقود الجمان صفحہ ۱۹۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ خود احادیث کی روایت کے بارے کہا کرتے تھے کہ:

"آدمی کو چاہیئے کہ صرف وہی حدیث بیان کرے جس کو اُس نے سماع کے وقت یاد کر لیا ہے۔"

("مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ" صفحہ 22)

'تاریخ بغداد' میں یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ:

"امام ابوحنیفہؒ ثقہ ہیں۔ وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو اُن کو یاد ہے اور جو یاد نہیں ہے اُس کو بیان نہیں کرتے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ علوم حدیث کے تمام سرچشموں سے سیراب تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جامعیت واکملیت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ ایک دفعہ آپؒ خلیفہ ابوجعفر منصور کے ہاں گئے تو عیسیٰ بن موسیٰ نے آپؒ کے بارے میں کہا: "هذا عالم الدنيا اليوم" یعنی آج یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ ابوجعفر منصور نے پوچھا: "آپؒ نے کس سے علم حاصل کیا ہے؟" حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا:

"حضرت عمر فاروقؓ کا علم اصحابِ عمرؓ سے، حضرت علی المرتضیٰؓ کا علم اصحاب علیؓ سے، حضرت ابن مسعودؓ کا علم اصحابِ ابن مسعودؓ سے، حضرت ابن عباسؓ کا علم اصحاب ابن عباسؓ سے اور ابن عباسؓ کے زمانہ میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا۔" یہ سن کر ابوجعفر منصور نے کہا: "آپؒ نے بہت ہی معتبر و مستند علم حاصل کیا ہے۔" (تاریخ بغداد جلد 13 صفحہ 334)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کو حجت مانتے ہیں۔ آپؒ کے نزدیک مرسل حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس سے کام نہیں لیا جا سکتا کیونکہ آپؒ نے حضرت امام حماد بن ابی سلیمان کی درسگاہ سے علم و معرفت کی خوشبو سمیٹی جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت عمر

69896

Marfat.com

فاروقؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علوم و معارف کی روشنی میں تفقہ اور اجتہاد کا مزاج اپنی تمام تر رعنائیوں اور منزہ توانائیوں کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنا فقہی مسلک خود بیان کرتے ہیں کہ:

> ''میں ہر مسئلہ کتاب اللہ سے اخذ کرتا ہوں جبکہ اس میں ملے اور اسمیں نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے اخذ کرتا ہوں جو ثقہ راویوں کے ذریعہ ثقہ حضرات کے پاس ہیں۔ اور جب نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کو پاتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں۔ اور جب بات ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، سعید بن میتب اور دیگر مجتہدین تک پہنچتی ہے تو میرے لیئے بھی گنجائش ہوتی ہے کہ جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کروں۔''
>
> (اخبار ابی حنیفہ والصحابہ صفحہ 10)

بعض فقہی مسائل خلاف قیاس ہوتے ہیں۔ ان کے استنباط و استخراج کو استحسان کہتے ہیں۔ جب حضرت امام ابو حنیفہؒ کو استحسان کی ضرورت پیش آتی تھی تو حضرت امام ابو حنیفہؒ شدت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ابو بکر علی بن احمد بن ثابت خطیب بغدادی نے ''الفقیہ والمتفقہ'' جلد دوم صفحہ 14 پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف کا بیان درج کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

> ''حضرت امام ابو حنیفہؒ فقہی مسائل کے بارے میں جب کوئی بات کہتے تھے تو ایک سال تک اُس پر غور و فکر کرتے تھے اور اپنے کسی شاگرد کے سامنے پیش نہیں کرتے تھے بلکہ ایک سال کے بعد اُس کو خوب مستحکم کر کے شاگردوں کے سامنے

لاتے تھے۔ اور جب استحسان کے بارے میں کلام کرتے تھے
تو اپنے آپ کو غور و فکر اور فہم و تدبر سے خوب مطمئن کر لیتے
تھے۔"

حضرت امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا کہ "کیا آپؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے؟" حضرت امام مالکؒ نے جواب دیا "سبحان اللہ! میں نے ان جیسا عالم نہیں دیکھا۔ واللہ اگر ابو حنیفہؒ یہ کہیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو ویسا ہی ہوگا کیونکہ ان کو تفقہ کی یوں توفیق دی گئی تھی کہ یہ ان کے لیئے کوئی بڑا مشکل کام نہیں تھا۔" (تاریخ بغداد، عقود الجمان، اخبار ابی حنیفہ والصحابہ)

ابن عبد البر نے کتاب "الانتقاء" میں لکھا ہے کہ "حضرت امام ابو حنیفہؒ فقہ کے امام، قیاس اور رائے میں دور رس، مسائل کے استنباط میں جید الذہن، حاضر الفہم اور نہایت ذہین اور متقی عالم تھے۔"

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ "جو شخص علم مغازی حاصل کرنا چاہے اُس کے لیئے مدینہ ہے۔ جو حج کے مناسک کے علم حاصل کرنا چاہے اُس کے لیئے مکہ ہے اور جو شخص فقہ کا ارادہ کرے اُس کے لیئے کوفہ ہے۔ اُسے چاہیئے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ کی صحبت اختیار کرے۔" (اخبار ابی حنیفہ والصحابہ صفحہ 75)

120 ہجری میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استاذ محترم حضرت امام حمادؒ اس دار فانی سے عالم بقا کی جانب کوچ کر گئے۔ اب لوگوں کو یہ احساس شدید ہوا کہ اس خلاء کو کسی نہ کسی طرح پُر کیا جائے اس لیئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فقہ جو بروایت ابراہیم نخعی حضرت امام حمادؒ پروان چڑھا رہے تھے اور اس سے عوام الناس کی ضروریات پوری ہو رہی تھیں اس کا سلسلہ منقطع کر دینا اور کار خیر کے اس دروازے کو یکسر بند کر دینا امت مسلمہ کیلیئے نقصان دہ امر تھا۔ چنانچہ تلامذہ کی نظریں اولاً تو استاد زادے پر پڑیں۔ لیکن اس تجربہ نے نمایاں کر دیا کہ ان سے وہ مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آتا جس کی توقع صاحبان فکر و نظر کر رہے تھے۔ لہٰذا اُستاد زادے کے بعد کچھ اور لوگوں کو بھی اس کا موقع دیا گیا مگر مقصد کما حقہٗ پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ (الموفق جلد اول صفحہ 70)

آخر کار نظر انتخاب ابو حنیفہؒ پر آ کر ٹھہری۔ لوگوں نے اصرار کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ احباب علم و دانش اور صاحبان فکر و نظر کے اصرار پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حلقہ درس کی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے حلقہ درس کی بنیاد اپنے استاذ محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ عظامؓ پر رکھی۔ آپؒ کا فقہ قرآن و حدیث کی ایک صحیح اور مدون شدہ تفسیر ہے جس میں اصول و فروع کے ساتھ ترتیب بھی ہے اور انسانوں کے لیئے بہترین لائحہ عمل بھی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ چونکہ بہت اعلیٰ پائے کے متکلم بھی تھے اس لیئے ہر ایک مسئلہ پر بحث و نظر اور تنقید و تبصرہ کیا جاتا تھا۔ ان پر استدلال، دلائل و براہین اور اعتراضات کی فراوانی ہوتی تھی اور ایک ایک مسئلہ پر کافی عرصہ تک بحث کا سلسلہ جاری رہتا تھا جس سے فکر و نظر کے نئے نئے گوشے اور اعلیٰ و ارفع زاویے سامنے آتے تھے۔ تب کہیں جا کر نتیجہ نکالا جاتا تھا اور پھر تلامذہ اسے اپنے پاس درج کر لیتے تھے۔

(ابوزہرہ ''حیاۃ امام ابو حنیفہؒ'' صفحہ 57)

حضرت امام ابو حنیفہؒ نہایت متحمل مزاج واقع ہوئے تھے۔ آپؒ طلباء کے اشکالات اور اعتراضات کو انتہائی خندہ پیشانی سے سنتے اور نہایت نرمی سے اُس کا جواب دیتے تھے۔ آپؒ پوری محویت اور پُر خلوص توجہ کے ساتھ درس دیتے تھے۔ اگر کوئی حادثہ بھی پیش آ جاتا تو آپؒ کی محویت میں فرق نہیں آتا تھا۔ ایک دفعہ چھت میں سے آپؒ کی گود میں ایک سانپ آ گرا۔ لوگ دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے مگر آپؒ انتہائی پُر سکون رہے۔ آپؒ نے کسی قسم کا اضطراب محسوس نہ کیا۔ آپؒ نے فوری طور پر کپڑے کو جھٹک دیا۔ سانپ چلا گیا اور آپؒ اسی طرح پڑھاتے رہے۔ (الموفق)

حضرت امام ابو حنیفہؒ انتہائی ذہین و فطین ہونے کے ساتھ ساتھ لاجواب حاضر جواب بھی تھے۔ درس گاہ میں کوئی کیسا ہی سوال پیش کرتا آپؒ فوراً اس کا تسلی بخش جواب خوبصورت دلیل کے ساتھ دیتے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی درسگاہ میں ہفتہ میں دو یوم کی تعطیل ہوتی تھی۔ جمعہ اور

Marfat.com

سنیچر کے روز درس نہیں ہوتا تھا۔ ہفتہ کا دن آپؒ نے ذاتی اور گھریلو مصروفیات کے لیئے مخصوص کیا ہوا تھا جبکہ جمعۃ المبارک کا یوم اہتمام نماز جمعہ اور احباب سے ملاقات کے لیئے مقرر تھا۔ اس روز آپؒ کے احباب جمع ہوتے اور آپؒ ان کے لیئے انواع واقسام کے کھانے تیار کراتے تھے۔ آپؒ روزانہ اشراق سے چاشت تک تجارتی کاروبار کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور پھر بعد ظہر سے شام تک درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا مگر یہ ضروری نہیں کہ یہ اوقات مستقل ہوں بلکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ ان اوقات میں حالات کے مطابق ترمیم بھی فرما لیتے تھے۔ (ابو زہرہ ''حیات ابو حنیفہ صفحہ 27)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس کو ازحد مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ شروع میں صرف حضرت امام حمادؒ کے تلامذہ ہی شریک درس رہتے تھے لیکن بعد ازاں اور لوگ بھی آپؒ کے درس میں شریک ہونے لگے۔ اور پھر یوں ہوا کہ اسلامی دنیا کا بیشتر حصہ آپؒ کے درس سے مستفید ہونے لگا۔ علامہ ابن ابی الوفا اپنی کتاب ''الجواہر المضیہ'' (جلد دوم صفحہ 543) میں رقمطراز ہیں کہ

> ''حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، دمشق، بصرہ، واسطہ، موصل، جزیرہ، رقہ، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، ہمدان، رے، قومس، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، بخارا، سمرقند، کس، صنعاء، ترمذ، ہرات، خوارزم، سیستاں، مدائن، حمص کے علاوہ اور بہت سے علاقوں کے باشندے شامل ہوتے تھے اور فیض حاصل کرتے تھے۔''

امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس کی یہ مقبولیت حضرت امام ابو حنیفہؒ کی حق گوئی، زہد و تقویٰ، قوت استدلال اور اہلیت اخذ و استنباط کی وجہ سے تھی۔ علوم کے پیاسے مختلف علاقوں سے تشنہ لب آتے تھے اور یہیں آ کر ہی ان کی پیاس بجھتی تھی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ آزادئ رائے کے بے حد حامی تھے اور اس بات کا ازحد

Marfat.com

خیال رکھتے تھے۔آپ" اپنی رائے میں نہایت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے اور اپنی رائے کو کبھی بھی حرف آخر نہیں سمجھتے تھے۔آپ" اپنی رائے بیان کرنے کے بعد واضح طور پر اعلان کر دیتے تھے کہ:

> ''میری یہ رائے احسن ہے جس پر میں قادر تھا لیکن اگر کوئی اس سے بھی اچھی رائے کا اظہار کرے تو وہ قبولیت کے لیئے زیادہ مناسب ہوگی۔''   (ابوزہرہ ''حیاۃ ابوحنیفہ'' صفحہ 60)

یوں تو حضرت امام ابوحنیفہ" کے حلقہ درس میں بہت سے علماء شریک ہوتے تھے مگر ان میں دس حضرات ایسے تھے جو حلقہ میں ہمہ وقت حاضر رہتے تھے۔ان میں 4 حضرات حافظ قرآن کی طرح فقہ کے حافظ تھے۔وہ زفر بن ہذیل، ابو یوسف، اسد بن عمرو اور علی بن مُسہر تھے۔ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہ" نے کہا: ''ہمارے تلامذہ 36 ہیں۔ان میں 28 عہدۂ قضاء کے لائق ہیں۔6 فتویٰ کے قابل ہیں جبکہ 2 قاضیوں اور مفتیوں کو تعلیم وتربیت دے سکتے ہیں۔'' یہ کہہ کر حضرت امام ابوحنیفہ" نے ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا۔   (اخبار ابی حنیفہ والصحابہ)

حضرت امام ابوحنیفہ" اپنے تلامذہ کی مالی اعانت بھی کرتے تھے تا کہ وہ دل جوئی اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں۔آپ" اپنے شاگردوں اور حلقہ نشینوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔حسن بن زیاد لولؤی حضرت امام ابوحنیفہ" کے مخصوص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔جب وہ حضرت امام ابوحنیفہ" کی مجلس میں شریک ہونے لگے تو اُن کے والد نے حضرت امام ابوحنیفہ" سے کہا ''میری کئی بیٹیاں ہیں اور میرے بیٹے حسن کے علاوہ میرا کوئی اور ہاتھ بٹانے والا نہیں ہے۔اس لیئے میں از حد پریشان ہوں۔''

حضرت امام ابوحنیفہ" نے یہ صورت حال سنی تو حسن بن زیاد کا وظیفہ جاری کر دیا جو اُن کی فراغت تک برابر جاری رہا۔(اخبار ابی حنیفہ والصحابہ صفحہ 132) اسی طرح قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ ''میں غربت، عسرت اور تنگدستی کی حالت میں حضرت امام ابو حنیفہ" سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ایک دن میرے والد آئے اور مجھے درس سے اُٹھا کر

Marfat.com

اپنے ساتھ لے گئے اور کہا کہ ابو حنیفہؒ تو خوشحال آدمی ہیں جبکہ تم تنگ دست ہو۔ ان کی برابری نہ کرو۔ چنانچہ میں نے والد صاحب کے کہنے پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے درس میں جانا بند کر دیا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے میری غیر حاضری کے متعلق حلقہ نشینوں سے دریافت کیا۔ چند دن کے بعد میں دوبارہ حلقۂ درس میں گیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے غیر حاضری کی وجہ معلوم کی۔ میں نے صاف صاف بتا دیا کہ میں معاشی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے حلقۂ درس کو جاری نہیں رکھ سکتا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مجلس کے اختتام پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ایک تھیلی میرے ہاتھ میں تھما دی اور کہا کہ اس سے اپنا کام چلاؤ مگر حلقۂ درس نہ چھوڑو۔ جب یہ رقم ختم ہو جائے تو مجھے فوری طور پر مطلع کرنا۔ اس تھیلی میں 100 درہم تھے۔ اس کے چند روز بعد میرے کہے بغیر ہی حضرت امام ابو حنیفہؒ نے دوسری تھیلی مجھے تھما دی اسی طرح یہ سلسلہ بدستور جاری و ساری رہا حتیٰ کہ میں نے بڑے اطمینان وسکون اور طمانیت قلب و ذہن سے تعلیم مکمل کی۔ میں 17 سال تک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں رہا لیکن مجھے کبھی بھی معاشی تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔'' (اخبار ابی حنیفہؒ والصحابہ صفحہ 92)

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ حجاج کرام نے حج کے موقع پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں ہدیتاً بہت سے جوتے پیش کئے۔ چند دن ہی گزرے تھے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے لیئے جوتا خریدنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ لوگوں نے پوچھا: ''حضرت! وہ ہدیہ کے جوتے کہاں گئے؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: وہ تو سب میں نے اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیئے۔''

اپنے شاگردوں کی ہمت افزائی، خیر خواہی اور تعریف و تحسین حضرت امام ابو حنیفہؒ کا خاص وصف تھا۔ جس زمانہ میں زفر بن ہذیل حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس میں زیر تعلیم تھے تو اُن کی شادی کا موقع آیا۔ زفر بن ہذیل نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے نکاح خوانی کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خوشی و مسرت کے ساتھ

اپنے شاگرد کی خواہش کو شرف قبولیت بخشا اور خطبۂ نکاح میں اپنے شاگرد کے بارے میں یہ الفاظ کہے:

> ''یہ زفر بن ہذیل ہیں جو اپنے حسب و نسب، شرافت اور علم کی وجہ سے مسلمانوں کے امام اور دین کے زبردست عالم ہیں۔''
>
> (اخبار ابی حنیفہؒ والصحابہ صفحہ 103)

شاگرد کے بارے میں اُستاد کے ان جملوں سے حاضرین بہت خوش ہوئے اور شاگرد کی بھی از حد ہمت افزائی ہوئی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کے ساتھ ساتھ ان کو وعظ و نصیحت بھی اس طور کرتے تھے کہ وہ دلیل کے ساتھ قائل ہو کر نہ صرف اپنے لیئے نیکی اور بھلائی کا سامان پیدا کریں بلکہ دوسروں کے لیئے بھی مشعل راہ ثابت ہوں۔ آپؒ نے اپنے شاگردوں کی ہر موقع پر اور ہر مناسبت سے رہنمائی فرمائی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد عزیز قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ:

> ''ایک دن موسم بڑا خوشگوار تھا۔ پہلے ہلکی ہلکی بوندا باندی ہوئی پھر قدرے زور سے بارش شروع ہو گئی۔ ہم لوگ حضرت امام ابو حنیفہؒ یعنی اپنے استاذ محترم کے اردگرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور عرض کی کہ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے۔ اُس وقت میرے ساتھ اور تلامذہ میں داؤد طائی، قاسم بن معن، عافیہ بن یزید، وکیع بن جراح، مالک بن مغول اور زفر بن ہذیل شامل تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ہماری خواہش پر ہم سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''تم محض میرے شاگرد ہی نہیں بلکہ میرے قلب کا سرور اور میری آنکھوں کا نور ہو۔ مجھے تم پر بجا طور پر فخر ہے۔ میں نے اپنی پوری کوشش سے تمہیں تفقہ فی الدین میں اس قابل بنا دیا ہے کہ لوگ تمہاری اتباع کریں۔ تم میں سے ہر

Marfat.com

ایک عہدۂ قضاء کی صلاحیت رکھتا ہے اور قاضی بن کر انتہائی اہم، صحیح اور دانشمندانہ فیصلے کر سکتا ہے۔ میں رب ذوالجلال اور تمہارے اُس علم کا واسطہ دے کر کہ جو علم رب علیم وخبیر نے تمہیں عطا کیا ہے تمہیں یہ کہتا ہوں کہ دین کے علم کو اُجرت اور مزدوری کی ذلت سے محفوظ رکھنا اور اسے کسی صورت اور کسی حال میں بھی ذریعۂ معاش نہ بنانا۔ اگر تم میں سے کوئی عہدۂ قضاء میں مبتلا کر دیا جائے اور اس بارے میں اپنے اندر ذرہ بھر بھی کوتاہی یا خرابی محسوس کرے جس سے عوام بے خبر ہوں تو اُس کے لیئے لازم ہے کہ وہ اس منصب کو چھوڑ دے اور اُس سے علیحدہ ہو جائے کیونکہ یہ بڑا نازک اور بھاری منصب ہے۔ اگر مجبوراً یہ منصب قبول کرنا ہی پڑے تو عوام سے بے تعلق نہ ہونا۔ پانچوں وقت محلّہ کی مسجد میں عام مسلمانوں کے ہمرکاب نماز پڑھنا اور ان کی دینی ضروریات معلوم کر کے اُن کے مناسب حل بتانا۔ اگر درمیان میں بیماری آگھیرے اور مجلس قضاء میں حاضری نہ دے سکو تو غیر حاضری کے دنوں کا وظیفہ مت لینا۔ اور جو بھی فیصلہ کرنے میں ناانصافی کرے گا اُس کا فیصلہ ناجائز اور قابل قبول نہیں ہوگا۔"

(مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ" صفحہ 17)

حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے شاگردوں کے سوالات کے تشفی آمیز و تسلی آگیں جوابات دیتے تھے۔ جن سے آپؒ کی ذہانت و فطانت تو جھلکتی ہی تھی تاہم شاگرد بھی اس سے کما حقہٗ مستفید ہوتے تھے بلکہ آپ کے جوابات دوسرے لوگوں کے لیئے بھی معلومات افزا اور قطب نما ہوتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ایک شاگرد رشید نے آپؒ سے سوال کیا "یا حضرت! فقہی بصیرت و اتقاء کے لیے کیا کیا جائے؟" حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: "اس کے لیئے پوری توجہ، ریاضت اور دل جمعی سے کام

لیا جائے۔" شاگرد نے پھر پوچھا "اس کی کیا صورت ہے؟" استاذ محترم حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا "اس کی واحد صورت یہ ہے کہ دنیاوی مشاغل ختم کر دیئے جائیں" شاگرد نے پھر پوچھا "استاذ معظم! یہ کیسے ہوگا؟" حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: "جس چیز کی جتنی ضرورت ہو اتنی ہی حاصل کرو۔ زیادہ کے چکر میں نہ پڑو۔" اس طرح سوال در سوال کر کے شاگرد نے اپنے استاذ محترم حضرت امام ابوحنیفہؒ سے نہ صرف پرت در پرت فہم و ادراک کے در وا کرنے کی حسین کوشش کی بلکہ دوسروں کے لیئے بھی فکر و نظر کے مینار ایستادہ کئے۔ اور یہ صرف اس طرح ہی ممکن ہو سکا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگردوں کو جرأت اظہار کی جو فراواں آزادی دی ہوئی تھی اُسے وہ انتہائی خوش اسلوبی سے کام میں لاتے تھے۔ اس طرح تعلیم و تدریس کا قابل قدر عمل بحسن و خوبی جاری و ساری رہتا تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں شمار کی جاتی ہے۔ حافظ ابو الحجاج مزّی نے "تہذیب الکمال" میں تقریباً ایک صد شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی دمشقی نے "عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان" میں صفحہ 91 سے صفحہ 158 تک تقریباً 800 شاگردوں کے نام درج کئے ہیں جبکہ دوسرے سیرت نگاروں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں بتائی ہے۔

آپؒ کے نمایاں شاگردوں میں قاضی ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل عنبری، حماد بن ابوحنیفہؒ، قاضی اسد بن عمرو، سفیان ثوری، داؤد طائی، حسن بن صالح، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، یحییٰ بن یمان، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن موسیٰ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، تاریخ بغداد)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی حاضر جوابی درجہ کمال پر تھی۔ آپؒ سوال کرنے والے کے سوال کو انتہائی توجہ، غور اور انہماک سے سنتے اور خندہ پیشانی کے ساتھ اُسے تسلی بخش جواب دینے میں مہارت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپؒ کی مجلس میں ضحاک بن قیس خارجی نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے کہا "آپ حَکم بنانے کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں؟"

Marfat.com

ضحاک بن قیس خارجی کا سوال بڑا شوخ اور بظاہر مشکل تھا اور اُس نے بھی یہ سوال محض اس لیئے کیا تھا کہ شاید وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو لاجواب کر سکے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بڑے سکون کے ساتھ اُسے کہا ''اے ضحاک! اگر میں اس سوال کا جواب دوں تو پھر یہ فیصلہ کون کرے گا کہ میرا جواب صحیح ہے یا غلط؟'' ضحاک بن قیس خارجی نے کہا ''حاضرین میں سے جس کو چاہو مقرر کر لو وہی فیصلہ کر دے گا۔'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''اے ضحاک! یہی تو میں کہتا ہوں جو تم اب کہہ رہے ہو۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی حاضر جوابی کے ساتھ ساتھ حاضر دماغی اور صورت حال کے مطابق فیصلہ کرنے کی قوت بے مثال تھی۔ آپؒ کے زمانہ میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کوفہ کے خاندان سادات میں سے کسی ہاشمی جوان کا انتقال ہو گیا۔ وہ جوان اپنی والدہ کا بہت لاڈلا اور پیارا تھا۔ فرط محبت اور جوش ممتا میں اُس کی والدہ نے جنازہ کے ساتھ چلنے اور نماز پڑھنے کی ضد کی۔ لوگوں نے اُسے بہت سمجھایا کہ ایسا کرنا جائز نہیں مگر وہ نہ مانی بلکہ اُس نے قسم کھالی کہ بغیر نماز جنازہ پڑھے واپس نہیں جائے گی۔ اُس کے شوہر نے بھی اُسے خوب سمجھایا اور منت سماجت کی مگر اُس نے اپنے شوہر کی بھی بات نہ مانی۔ اس پر اُس کے شوہر کو غصہ آ گیا اور اُس نے کہا ''اگر تو یہاں سے واپس نہ ہوئی تو تجھے طلاق!''

اُس وقت جنازہ کے ساتھ بہت سے علماء و فضلاء بھی تھے جن میں حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی شامل تھے۔ جنازہ رکھ دیا گیا۔ کسی میں اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔ اور نہ ہی کسی عالم کی سمجھ میں اس مسئلہ کا حل آ رہا تھا۔ سب پریشان تھے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آخر میں لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے رجوع کیا اور اس نازک صورت حال کا حل طلب کیا۔ آپؒ نے فوری طور پر مرحوم جوان کی والدہ کو بلوا کر کہا ''تم یہیں نماز جنازہ پڑھ لو۔'' چنانچہ جب وہ نماز جنازہ پڑھ چکی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اُس سے کہا کہ ''اب یہیں سے واپس چلی جاؤ۔'' لہٰذا وہ وہاں سے واپس چلی گئی اور یوں اس کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ اس طرح تمام نصوص بھی مدنظر رہیں۔ صورت حال کی نزاکت کا بھی خیال رہا اور معاملہ بھی سلجھ گیا۔ (''المناقب'' (جلد اوّل صفحہ 281) علامہ کردری)

Marfat.com

حضرت امام ابو حنیفہؒ جہاں تعلیم و تعلم، تحدیث و روایت، تفقہ و افتاء اور رشد و ہدایت میں سچائی، راستبازی، دیانتداری اور ذمہ داری کا ثبوت دیتے تھے وہاں حصول معاش و معیشت میں بھی آپؒ کا لین دین، معاملہ بندی اور نقل و حمل، بے مثل اور قابل تقلید تھا۔ آپؒ کی تجارت خالصتاً اسلامی اصولوں پر قائم تھی۔ ''تاریخ بغداد'' کے مطابق حفص بن عبدالرحمٰن کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شریک تجارت تھے۔ آپؒ ان کے یہاں مال روانہ کیا کرتے تھے اور وہ اسے فروخت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مال بھیجا تو اُن کو بتا دیا کہ ایک تھان میں عیب ہے لہٰذا جب اُسے بیچا جائے تو خریدار کو پہلے کپڑے کے نقص سے آگاہ کیا جائے پھر اس کا سودا کیا جائے مگر حفص بن عبدالرحمٰن کے ذہن سے غیرارادی طور پر یہ بات نکل گئی اور انہوں نے خریدار کو عیب بتائے بغیر معمول کی قیمت پر اسے فروخت کر دیا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپؒ نے کہا کہ خریدار کو تلاش کیا جائے تاکہ اُسے کپڑے کا عیب بتا کر پھر سے سودا طے کیا جائے مگر بہ ہزار کوشش خریدار کا کوئی علم نہ ہو سکا چنانچہ اس صورت حال میں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس تھان کی پوری قیمت صدقہ کر دی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ خرید و فروخت میں دیانتداری اور راستبازی کا مکمل خیال تو رکھتے ہی تھے مگر خیرات اور احسان کی برکات سے بھی مستفید ہونا اپنے لیئے باعث اعزاز سمجھتے تھے۔ آپؒ اپنے پروردگار کی خوشنودی مخلوقِ خدا کی خدمت میں مضمر سمجھتے تھے اور کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے کہ جس میں آپؒ کسی کے کام آ سکتے ہوں۔ آپؒ ضرورت مندوں کی خفیہ اور ظاہر ہر دو طرح سے مدد کرتے تھے اور مدد کرنے کے بھی نرالے انداز اور انوکھے طریق اپناتے تھے۔

ایک دفعہ ایک ضرورت مند نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کی: ''یا حضرت! میری شادی کی بات چیت طے پا چکی ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس ڈھنگ کے دو کپڑے بھی نہیں ہیں۔ اگر آپؒ مجھ پر احسان کریں اور مجھے دو کپڑے عنایت فرما دیں تو آپؒ کی نوازش ہو گی۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے انتہائی غور

Marfat.com

کے ساتھ اُس ضرورت مند کی بات سنی۔ پھر اس سے فرمایا: ''میاں! تمہارا کام ہو جائے گا مگر تم دو ہفتوں کے بعد آنا۔''

وہ شخص اُس وقت وہاں سے چلا گیا اور حسب ہدایت دو ہفتوں کے بعد واپس آیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے 20 دینار سے زائد قیمت کے دو کپڑے دیئے اور ساتھ ہی ایک دینار نقد بھی دیا۔ آپؒ نے اُس شخص سے فرمایا: ''یہ سب تمہارا ہے۔ اسے لے جاؤ اور اپنی ضرورت پوری کرو۔''

اس شخص نے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ پوچھا: ''یا حضرتؒ! میں نے تو صرف دو کپڑوں کے لیئے کہا تھا مگر ساتھ میں یہ ایک دینار کس لیئے ہے؟''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

''میاں! دراصل میں نے تمہارے نام سے کچھ سامان بغداد بھیجا تھا۔ اُس سامان کی فروخت سے جو قیمت وصول ہوئی اُس رقم سے آپ کے لیئے یہ دو کپڑے خریدے تو ایک درہم باقی بچ گیا۔ اب چونکہ وہ سامان تمہارے نام سے بھیجا گیا تھا لہٰذا اُس کی تمام تر رقم تمہاری ہی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے یہ کہے کہ مجھ پر احسان کرو تو گویا اُس نے اپنے بھائی کو اپنے راز کا امین بنا دیا۔ اس لیئے میں اس شخص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک اور احسان کرنا چاہتا ہوں۔''

(اخبار ابی حنیفہ والصحابہ)

اسی طرح ایک دفعہ ایک واقف کار نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دکان پر آکر ایک خاص رنگ کا ریشمی کپڑا طلب کیا۔ آپؒ کی دکان پر اس وقت وہ مطلوبہ کپڑا نہیں تھا۔ آپؒ نے اُس شخص سے کہا: ''چند روز انتظار کرو۔ جیسے ہی آپ کی مرضی کا پسندیدہ کپڑا آئے گا آپ کو مل جائے گا۔ میں اُسے آپ کے لیئے الگ سے محفوظ کر لوں گا۔''

کوئی ایک ہفتہ گزرا ہو گا کہ وہی کپڑا حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دکان پر آ گیا۔ ایک دن وہ شخص آپؒ کی دکان کے قریب سے گزرا تو آپؒ نے اُسے آواز دی اور کہا: ''میاں! تمہاری پسند کا کپڑا آ گیا ہے لیتے جاؤ۔'' اُس نے پوچھا: ''یا حضرتؒ! اس کپڑے کی قیمت کیا ہے؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا: ''صرف ایک درہم'' اُس شخص نے کہا ''یا حضرت! اللہ تعالیٰ آپؒ کو خوش رکھے اور آپؒ کے مال میں برکت دے۔ یہ فرمائیے کہ کیا آپؒ مزاح بھی کرتے ہیں؟''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا: ''میاں! میں آپ کے ساتھ کوئی مزاح نہیں کر رہا۔ دراصل آپ کی پسند کے اسٹائل کے دو کپڑے آئے جن کی قیمت خرید بیس دینار ایک درہم تھی۔ ان دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا بیس دینار میں فروخت ہو گیا۔ اب میرے راس المال میں محض ایک درہم کی کمی رہ گئی ہے لہٰذا تم دوسرا کپڑا لے لو اور صرف ایک ہی درہم دے دو کیونکہ میں اپنے دوستوں سے نفع نہیں لیتا ہوں۔'' چنانچہ اُس واقف کار نے اپنی پسند کا وہ کپڑا محض ایک درہم دے کر حضرت امام ابو حنیفہؒ سے خرید لیا۔ (تاریخ بغداد)

حضرت امام ابو حنیفہؒ جہاں فروخت کے وقت انتہائی احتیاط، دیانت اور ذہانت سے کام لیتے تھے وہاں مال کی خرید کے وقت بھی آپؒ کا انداز قابل فخر اسلامی فکر کی عکاسی کرتا تھا۔ آپؒ مال خریدتے وقت اپنے تجربے کی اساس پر یہ پرکھ لیتے تھے کہ یہ کس قیمت کا ہے اور اسے کتنے میں خریدا جانا چاہیئے۔ آپؒ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ آپؒ جس سے مال خرید رہے ہیں اُسے مال کی پوری پوری جائز قیمت ملے اور کسی کا حق نہ مارا جائے۔

ایک دفعہ کچھ ایسا ہوا کہ ایک بڑھیا آپؒ کی دکان پر آئی۔ اُس کے پاس ایک ریشمی کپڑا تھا جسے وہ فروخت کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو وہ کپڑا پیش کیا اور کہنے لگی ''یا حضرتؒ! میں اسے بیچنا چاہتی ہوں آپؒ اسے خرید لیں'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے پوچھا ''اس کپڑے کی قیمت کیا لو گی؟'' بڑھیا نے کہا ''صرف ایک سو درہم'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ''یہ قیمت تو بہت کم ہے۔ کپڑا تو اس سے مہنگی قیمت کا

ہے۔" بڑھیا کہنے لگی "پھر آپؒ دوسو درہم دے دیں۔" آپؒ نے فرمایا "یہ کپڑا تو اس سے بھی زیادہ قیمت کا معلوم ہوتا ہے۔" بڑھیا نے رقم میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "اگر آپؒ کو اس کی قیمت زیادہ معلوم ہوتی ہے تو آپؒ تین سو درہم دے دیں۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا "بڑھیا! اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ دام تو اب بھی تم نے کم بتائے ہیں۔" بڑھیا نے کہا "چلو اب آخری قیمت بتائے دیتی ہوں۔ آپؒ اس کے چار سو درہم عنایت کر دیں۔" حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا "کپڑے کی قیمت تو اب بھی آپ کم بتا رہی ہیں۔ یہ کپڑا تو اس سے زیادہ قیمت کا ہے۔" بڑھیا کہنے لگی "یا حضرت! کیوں مجھ بڑھیا کے ساتھ مزاح کرتے ہیں۔ میں جس قدر پیسے بڑھاتی جاتی ہوں آپؒ پھر بھی یہ کہتے جاتے ہیں کہ اس کپڑے کی قیمت ابھی اور زیادہ ہے۔ آپؒ جیسا دکاندار میں نے عمر بھر نہیں دیکھا جو خود ہی زیادہ قیمت پر مال خریدنا چاہتا ہو۔ ورنہ تو ہر دکاندار کی یہی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ کم سے کم قیمت پر مال خریدے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر بیچے تاکہ اُسے شرح منافع زیادہ تر ملے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا "چلو ایسا کرتے ہیں کہ کسی اور شخص سے اس کپڑے کے دام پوچھ لیتے ہیں۔" بڑھیا اس بات پر راضی ہو گئی۔ چنانچہ ایک اور کپڑا فروش سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے وہ کپڑا اُس بڑھیا سے 500 درہم میں خریدا۔ (عقود الجمان)

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ضرورت مندوں کے علاوہ مفلس و نادار علماء و محدثین اور مشائخ عظام کی امداد و تعاون اور اخوت و اعانت کے لیئے ہمہ وقت کمربستہ رہتے تھے۔ اس مقصد کے لیئے آپؒ کچھ سامان تجارت بغداد بھیجتے تھے۔ اُسے وہاں فروخت کر کے اس رقم سے دوسرا سامان کوفہ سے منگواتے تھے جو یہاں فروخت ہوتا تھا۔ اس طرح کی خرید و فروخت سے جو نفع حاصل ہوتا تھا اُسے اہل علم پر خرچ کرتے تھے اور اُن سے کہتے تھے کہ "آپ لوگ صرف رب رازق و رزاق کا شکر ادا کریں کیونکہ میں نے اپنے راس المال سے کچھ نہیں دیا ہے۔ یہ سب آپ ہی لوگوں کے سامان کا منافع ہے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ متمول اور دولت مند ہونے کے باوجود خود نہایت سادہ

Marfat.com

زندگی گزارتے تھے۔ کبھی ستو اور کبھی سادہ روٹی پر گزر اوقات فرماتے تھے۔ ہر سال کے اختتام پر کچھ رقم اپنے پاس رکھ کر باقی کا تمام منافع حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ''اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ اپنی ضرورت کے لیئے مالداروں کے پاس جانا پڑے گا تو ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھتا۔'' (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ)

حضرت امام ابو حنیفہؒ جہاں دولت مند ہوتے ہوئے دولت کو ضرورت مندوں کی امانت سمجھتے تھے وہاں آپؒ کو جاہ و حشمت اور مقام و مرتبہ کا حصول بھی اپنے لیئے انتہائی ناموزوں معلوم ہوتا تھا۔ مروان کے زمانے میں یزید بن عمرو بن ہبیرہ فزاری کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو اُس نے منصوبہ بنایا کہ امور سلطنت میں علماء کو شریک کرے تاکہ عوام الناس پر سہولت کے ساتھ حکومت کی جا سکے۔ چنانچہ اُس نے تمام علمائے عراق کو جمع کیا اور مختلف عہدے اور جاگیریں عطا کیں جن کو انہوں نے بخوشی قبول کر لیا۔ اُس نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ سپرد کرنا چاہا تو آپؒ نے مطلقاً انکار کر دیا۔ ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ آپؒ کو یہ عہدہ ہر حال میں قبول کرنا ہوگا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی قسم کھائی کہ کسی صورت یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا حتیٰ کہ اگر آپ مسجد کے ستون شمار کرنے کو بھی کہیں گے تو نہیں کروں گا چہ جائیکہ ایک مسلمان کے قتل پر دستخط کروں۔

ابن ہبیرہ کو اس بات پر غصہ آ گیا اور اُس نے آپؒ کو 110 کوڑوں کی سزا سنائی۔ وہ بھی اس طرح کہ آپؒ کو 10 کوڑے روزانہ مارے جایا کریں چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو گرفتار کر کے روزانہ 10 کوڑے مارے جانے لگے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنی بات پر اٹل رہے۔ آپؒ کہتے تھے کہ مجھے اس سزا سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی جتنی کہ اس حادثہ پر والدہ محترمہ کے رنج و غم سے ہوئی۔ (سیرت النعمان، المناقب العلامہ کردری)

جب زمام اقتدار عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے ہاتھ آئی تو اُس وقت کیا صورت حالت تھی آیئے اس کی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔

ملک بھر سے علماء ایک جگہ اکٹھے ہوئے تھے۔ کوئی دور دراز کا سفر طے کر کے پہنچا تھا تو کوئی نزدیک ہی کا رہائشی تھا۔ ہر ایک اپنی ذات میں علم کا ایک سمندر تھا۔ دین اسلام کے ایک ایک نکتے پر بحث کرنے والا، ہمہ قسم کے مسائل کا حل بتانے والا اور

Marfat.com

اسرار و رموز سمجھانے والا۔ گویا اک روح پرور منظر تھا مگر یہ سب علماء خود سے ہی اکٹھے نہیں ہو گئے تھے۔ انہیں تو دعوت دے کر بلایا گیا تھا اور دعوت بھی ایسی ویسی نہیں تھی بلکہ خلیفہ منصور نے خود بلایا تھا۔ مقصد بھی بیان کیا گیا تھا کہ مختلف اجتہادی مسائل پر غور وخوض کیا جائے۔

مجلس شروع ہوئی تو نوع بہ نوع کے اجتہادی پہلو زیر بحث آئے۔ ہر کسی نے اپنے اپنے مطالعے کی وسعت کا مظاہرہ کیا۔ دلائل اور حوالوں کے انبار لگا دیئے۔ خلیفہ منصور بڑی دلچسپی اور انہماک سے اس بحث میں شامل رہا۔ گفتگو جاری تھی کہ یکا یک خلیفہ منصور نے علماء سے پوچھا:

''آپ کا کیا خیال ہے کہ رب قادر وقدیر کی طرف سے مجھے
یہ حکومت جو بخشش کی گئی ہے کیا میں اس کا اہل ہوں؟''

خلیفۂ وقت اپنے بارے سوال کرے اور کس میں یہ ہمت کہ اُس کی مرضی ومنشاء کے مطابق جواب نہ دے!! سبھی نے بیک زبان کہا'' جناب عالی! بالکل آپ ہی اس مقام ومرتبہ کے اہل ہیں۔ آپ سے بہتر پورے ملک میں کوئی اور شخص نہیں جو اس منصب کو سنبھال سکے۔''

ان علماء میں ایک ایسے عالم بھی موجود تھے جنہوں نے دوسرے علماء کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔ خاموش رہے۔ تاہم ان کے چہرے سے خفگی کے آثار نمایاں تھے۔ خلیفہ منصور صورت حال کو بھانپ گیا۔ اُس نے ضبط کرنے کی کوشش کی مگر اُس سے رہا نہ گیا۔ وہ اس عالم سے مخاطب ہو کر بولا:

''جناب! آپ نے اپنی رائے کا برملا اظہار نہیں کیا۔ آپ بھی
تو کچھ فرمایئے!''

اُس عالم نے بلا جھجک کہا:

''اے منصور! تم اپنے ضمیر کو جھنجوڑو تو تمہیں خود معلوم ہو جائے

Marfat.com

گا کہ تو نے ہم لوگوں کو اللہ اور اُس کے دین کی خاطر نہیں
بلایا۔ تم چاہتے ہو کہ ہم لوگ تیری ہر جائز و ناجائز بات کی
توثیق کریں تاکہ عوام الناس یہ سمجھیں کہ تمہارے تمام کام اور
احکام دین اسلام کے عین مطابق ہیں کیونکہ تیرے خلیفہ
ہونے کی تمام علماء نے بلاحیل و حجت تصدیق کی ہے حالانکہ تم
اس طرح خلیفہ بنے ہو کہ تمہاری خلافت پر اہل فتویٰ میں سے
دو آدمیوں کا اجماع نہیں ہوا۔''

خلیفہ منصور اس جرأت مند عالم کی کھری کھری باتیں سن کر اُس لمحے تو خاموش رہا اور مجلس برخواست کر دی گئی مگر اُسے ایک پل چین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے گھر پہنچتے ہی اپنے وزیر باتدبیر ربیع کو اشرفیوں کی ایک تھیلی دے کر اُس عالم کے گھر بھیجا تاکہ اُسے وہ تھیلی دے آئے۔ تاہم اُس نے اپنے وزیر کو یہ بھی ہدایت کر دی کہ اگر وہ عالم یہ تھیلی قبول کر لیں تو اُن کی گردن کاٹ لانا اور اگر تھیلی قبول کرنے سے انکار کر دیں تو واپس لوٹ آنا۔

جب خلیفہ منصور کا وزیر ربیع اُس عالم کے گھر تھیلی لے کر پہنچا تو اُسے دیکھ کر وہ عالم مسکرائے اور بولے'' ربیع! میری بات غور سے سن لو! چاہے تم میری گردن کاٹ کر رکھ دو لیکن میں اشرفیوں کی اس تھیلی کو قبول کرنا تو دور کی بات، اسے ہاتھ تک لگانے کو تیار نہیں۔''

ربیع نے پوچھا'' آخر وجہ کیا ہے؟''
اپنے وقت کے مشہور عالم باعمل حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا:

''اے ربیع! تمہیں کیا معلوم کہ سربراہ مملکت کس طرح علماء کو
دولت کے جال میں پھنساتے ہیں۔ جاؤ اور خلیفہ منصور سے
کہہ دینا کہ جس مال کو میں اُس کے لیئے حلال نہیں سمجھتا
اُسے اپنے لیئے کیسے حلال سمجھ لوں کیونکہ بیت المال کسی کی

ذات کی ملکیت نہیں ہوتا۔" (المناقب الموفق)

اسی طرح ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو 30 ہزار درہم پیش کئے۔ آپؒ نے اُس سے کہا" جناب عالی! میں ایک اجنبی اور مسافر شخص ہوں۔ ان درہم کو اپنے پاس محفوظ نہیں رکھ سکتا کیونکہ میرے پاس ان کے رکھنے کے لیئے کوئی مناسب جگہ نہیں ہے۔ آپ انہیں بیت المال میں رکھوا دیں جب ضرورت پڑے گی وہاں سے لے لوں گا۔ چنانچہ ابوجعفر منصور نے ایسا ہی کیا۔ مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ دنیا سے رخصت ہو گئے اور وہ رقم یوں ہی پڑی رہی۔ (تاریخ بغداد)

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ اور دیگر علماء کو طلب کیا اور بیع و زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق کتاب لکھنے کو کہا۔ چنانچہ طویل مدت کے بعد ان حضرات نے مسودات پیش کئے۔ خلیفہ نے وہ مسودات پڑھے تو اُسے پسند نہ آئے۔ کسی درباری نے خلیفہ سے عرض کی" حضور والا! کوفہ میں ایک عالم ابوحنیفہ نعمانؒ ہیں۔ اُن کو بلوایئے اور کتاب لکھنے کا کہیئے۔"

خلیفہ منصور نے درباری کی تجویز پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کو بلوا بھیجا۔ آپؒ پہنچے تو آپؒ سے خلیفہ منصور نے مذکورہ کتاب لکھنے کا کہا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے صرف دو دن میں وہ کتاب مرتب کر کے پیش کر دی۔ کتاب کیا تھی، فصاحت و بلاغت، مثالوں اور حوالوں کے ساتھ ساتھ علم و معرفت کا ایک بے مثل نمونہ تھی۔ خلیفہ منصور نے کتاب کا ورق ورق پلٹا تو علم کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دیکھا اور عش عش کر اُٹھا۔ اُس نے اسے بہت پسند کیا اور خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے بطور انعام 10 ہزار درہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت اقدس میں پیش کئے مگر مرد قلندر، دل کے سکندر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے وہ 10 ہزار درہم لینے سے انکار کر دیا۔

عباسی خلیفہ منصور کے دور حکومت میں بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ پر قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے کے لیئے زبردست دباؤ ڈالا گیا۔ خلیفہ نے آپؒ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ جب آپؒ تشریف لائے تو خلیفہ منصور نے کہا: "اے ابوحنیفہؒ! ہماری یہ خواہش اور

Marfat.com

دلی آرزو ہے کہ آپؒ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول فرمائیں کیونکہ آپؒ کے علاوہ کوئی اور ہمیں اس منصب کے لیئے انتہائی موزوں اور مناسب معلوم نہیں دکھائی دیتا۔ اگر آپؒ اس عہدہ پر متمکن ہو جائیں گے تو ہماری سلطنت اور حکومت کو وقار اور اعزاز حاصل ہو گا۔ اس ضمن میں آپؒ جو بھی وظیفہ مقرر فرمائیں یا جو بھی شرط رکھیں ہم اُسے پورا کرنے کے لیئے پوری طرح تیار ہیں۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا: ''اے خلیفہ! میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ یہ منصب قبول کروں کیونکہ ان حالات میں میرے لیئے انصاف کرنا ایک مشکل امر ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کسی اور کو اس عہدہ کے لیئے منتخب کر لیں جو آپ کے ساتھ آپ کی مرضی و منشاء کے مطابق چل سکے۔''

خلیفہ منصور نے بار بار اصرار کیا۔ طرح طرح کے دلائل اور مختلف قسم کے لالچ اور ترغیبات دیں مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنی بات پر اٹل رہے۔ آپؒ نے قاضی القضاۃ بننے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ خلیفہ منصور نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے انکار کو اپنی توہین سمجھا اور غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا۔ کہنے لگا:

''اللہ کی قسم! تمہیں یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا ورنہ تمہارا انجام اچھا نہیں ہو گا''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ کہا: ''واللہ! میں بھی یہ عہدہ کبھی نہیں قبول کروں گا چاہے اس کے لیئے مجھے کڑی سے کڑی سزا اور سخت سے سخت امتحان سے ہی کیوں نہ گزرنا پڑے۔''

اُس وقت دربار میں خلیفہ منصور کا خاص منظور نظر مشیر ربیع بھی موجود تھا۔ اُس نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے کہا: ''اے ابوحنیفہؒ! آپؒ بھی کیا غضب کرتے ہیں! امیر المومنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہیں۔ آپؒ اپنے رویے پر نظرثانی فرمائیں۔ یہ قسم آپؒ کے لیئے بہتر نہیں ہے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا: ''کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں یہ میں آپ سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ اور یہ بھی مجھے علم ہے کہ امیر المومنین کے لیئے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا مجھ سے زیادہ آسان اور سہل ہے۔''

Marfat.com

خلیفہ منصور نے جیسے ہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ جواب سنا تو وہ غصے سے تجلا اٹھا۔ اُس نے حکم دیا: ''ابوحنیفہ کو فوراً قید تنہائی میں ڈال دیا جائے۔'' چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ کو خلیفہ منصور کے حکم پر جیل خانے میں بند کر دیا گیا۔ پھر خلیفہ منصور نے جلاد کو بلا کر کہا:

''ابوحنیفہؒ کو روزانہ دس کوڑے لگائے جائیں تاوقتیکہ وہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر لیں اور اس امر کی رپورٹ روزانہ مجھے دی جائے کہ ابوحنیفہؒ پیش کردہ عہدہ کے لیئے تیار ہوئے ہیں یا نہیں۔ کوڑے مارنے کے بعد روزانہ ابوحنیفہؒ سے پوچھا جائے کہ وہ کیا ارادہ رکھتے ہیں؟''

خلیفہ منصور کے حکم پر جلاد نے روزانہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو 10 کوڑے لگانا شروع کر دیئے۔ کوڑے لگانے کے بعد آپؒ سے پوچھا جاتا ''کیا آپؒ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے کے لیئے تیار ہیں؟'' آپؒ روزانہ ایک ہی جواب دیتے کہ ''میں یہ منصب کسی صورت بھی قبول نہیں کروں گا۔''

چند روز کے بعد خلیفہ منصور نے پھر حضرت امام ابوحنیفہؒ کو دربار میں بلایا اور انتہائی انکساری اور صلح پسندی کے انداز میں کہا: ''اے ابوحنیفہؒ! اپنی جانِ عزیز پر ترس کھاؤ۔ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو بلکہ قاضی القضاۃ کے عہدہ کو بخوشی قبول کرلو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اس منصب سے تمہاری شان میں بھی اضافہ ہوگا اور ہمارے لیئے بھی یہ وجہ افتخار ہوگا۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امیر المومنین کا بھلا کرے تاہم میں کسی طور بھی اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں۔ آپ ازراہ لطف و کرم کسی اور کو اس منصب پر فائز کیجیے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مستقل مزاجی اور اپنے عہد پر ڈٹے رہنے سے خلیفہ منصور پھر بگڑ گیا اور کہنے لگا ''اے ابوحنیفہؒ! تم جھوٹے ہو جو یہ کہتے ہو کہ تم قاضی القضاۃ کے عہدہ کے لیئے اہل نہیں۔ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم جھوٹ بولو حالانکہ اس عہدہ کے لیئے تم سے بہتر کوئی اور نہیں۔''

Marfat.com

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا "اب تو امیرالمومنین نے خود ہی میری بات کی تصدیق کر دی ہے اور مجھے جھوٹا کہہ دیا ہے۔ اگر واقعی میں جھوٹا ہوں تو پھر ایک جھوٹا شخص کس طرح قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز ہونے کا اہل ہوسکتا ہے۔ آپ کیسے ایک جھوٹے شخص کو اس قدر اہم عہدہ پر فائز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ اور اگر میں سچا ہوں تو پھر آپ میری بات پر یقین کیوں نہیں کرتے جبکہ میں بار بار یہ کہہ چکا ہوں کہ میں اس عہدہ کا اہل نہیں ہوں۔" خلیفہ منصور نے تنگ آ کر پھر سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو جیل میں ڈلوا دیا مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پائے استقلال میں ذرا بھی جنبش نہ آئی اور آپؒ اپنی بات پر قائم رہے۔ (کشف المحجوب، تذکرۃ الاولیاء، تاریخ بغداد)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قاضی القضاۃ کے عہدہ کی قبولیت سے انکار اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپؒ خدانخواستہ واقعی اس کے اہل نہیں تھے۔ آپؒ تو ذہانت و فطانت، حاضر دماغی و حاضر جوابی، استدلال و استنباط اور استخراج و استفہام کا اک بحرِ بے کراں تھے مگر وقت کی نزاکت اور زمانے کی صورت حال کے مطابق آپؒ اُس عہدہ کے قبول کرنے سے اجتناب کر رہے تھے کیونکہ عدالت پر خلافت کا غلبہ تھا۔ عدالت مکمل طور پر آزاد نہیں تھی اور خلیفہ اپنے دورِ حکومت اور عنان سلطنت کے استحکام و دوام کے لیئے عدلیہ کو استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اُس کا مقصد عوام کو یہ باور کرانا تھا کہ اُس کا ہر اقدام شرعی اور قانونی ہے کیونکہ وقت کے بہت بڑے عالم اور امام اُس کی سلطنت کا حصہ ہیں اور اُس کے ہر فرمان پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں جبکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس عمل کو انصاف کے تقاضوں کے برخلاف سمجھتے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ذکاوت و ذہانت، قوتِ فیصلہ اور استطاعتِ انصاف کے دل پذیر، سبق آموز اور لائق تقلید واقعات سے تاریخ اسلام کے اوراق مزین و منور ہیں۔ ان سے ہر دور کا انسان علم و فضل کے انمول گوہر اور گنج ہائے گراں مایہ سے دامن بھر سکتا ہے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ لوگوں کے مابین اس بات پر مناظرہ ہو گیا کہ نماز کے دوران امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہیئے یا نہیں۔ ایک گروہ کا مؤقف یہ تھا کہ جب امام

Marfat.com

صاحب قرأت کر رہے ہوں تو مقتدیوں کو بھی قرأت کرنا چاہیئے جبکہ دوسرا گروہ یہ کہتا تھا کہ امام صاحب کی قرأت سے مقتدیوں کی قرأت بھی ہو جاتی ہے۔ بحث نے کافی طول پکڑا اور دونوں گروہ مختلف دلائل سے اپنے آپ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔ تاہم بات اور بحث کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی بالآخر یہی فیصلہ ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں قطعی رائے لی جائے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پاس پہنچے اور آپؒ سے رہنمائی طلب کی۔

اُس وقت حضرت امام ابو حنیفہؒ کو یکدم بہت سے لوگ ایک ساتھ اپنا مؤقف بیان کرنے لگے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہ صورت حال دیکھی تو آپؒ نے فرمایا: ''پوری جماعت سے ایک ہی وقت میں مناظرہ کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی بیک وقت سب کی بات سنی جا سکتی ہے۔ اس لیئے بہتر یہی ہو گا کہ آپ لوگ اپنے میں سے کسی ایسے ایک شخص کا انتخاب کریں جو آپ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا ہو تا کہ میں اُس سے بات کر سکوں اور وہ میری بات بخوبی و بخوشی سن بھی سکے اور قبول بھی کر سکے۔''

ان لوگوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اس تجویز کو پسند کیا اور اکٹھے ہو کر اک شخص کا انتخاب کر لیا۔ انہوں نے اس شخص کو اپنی نمائندگی کے لیئے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُن لوگوں سے پوچھا: ''یہ بتایئے کہ یہ شخص آپ سب لوگوں کی نمائندگی کر رہا ہے۔ یہ شخص جو کچھ کہے گا کیا وہ آپ سب لوگوں کا کہا ہوا مانا جائے گا یا نہیں؟'' سب نے بیک زبان کہا: ''جو کچھ یہ شخص کہے گا وہ ہم سب ہی کا کہا ہوا مانا جائے گا۔''

اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ان سے پوچھا: ''کیا آپ کے اس نمائندہ کی ہار جیت آپ سب لوگوں کی ہار جیت سمجھی جائے گی یا نہیں؟'' ان لوگوں نے متفقہ جواب دیا: ''اے ابو حنیفہؒ! اس کی ہار ہماری ہار اور اس کی جیت ہماری جیت ہی سمجھی جائے گی۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ان لوگوں سے پوچھا ''وہ کس طرح؟''

وہ لوگ کہنے لگے: ''وہ اس طرح کہ ہم نے اس شخص کو اپنا نمائندہ اور امام چنا ہے۔ اس لیئے اس کا کہا ہوا ہمارا کہا ہوا ہو گا اور اس کی ہار جیت ہماری ہار جیت ہو گی۔''

یہ سنتے ہی حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: ''بس بحث ختم ہوگئی اور معاملہ طے ہو گیا۔ یہی تو میرا موقف ہے کہ جب ہم نے ایک شخص کو نماز میں اپنا امام بنا دیا تو اُس کی قرأت بھی ہماری قرأت شمار ہو گی لہٰذا مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔'' ان لوگوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مدلل جواب سنا تو عش عش کر اُٹھے اور حیران ہوئے کہ کس طرح اور کس قدر خوبصورتی کے ساتھ آپؒ نے معاملہ سلجھا دیا۔

(روح البیان)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک خاوند اور اس کی بیوی آپس میں کسی بات پر ناراض ہو گئے۔ خاوند نے غصہ میں آ کر اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا جب تک کہ پہلے تُو میرے ساتھ کلام نہ کرے۔ بیوی نے بھی اسی وقت غصہ میں آگ بگولہ ہو کر قسم کھا لی کہ ''اللہ کی قسم! میں بھی تم سے کبھی بات نہیں کروں گی جب تک کہ تم مجھ سے پہلے بات نہ کرو۔'' اس گفتگو کے بعد دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے سے کلام کرنا چھوڑ دیا۔

جب دونوں میاں بیوی کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور ان کے ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو دونوں کو خیال آیا کہ وہ یہ کیا کر بیٹھے ہیں! اب وہ نہایت شش و پنج میں پڑ گئے اور الجھن میں گرفتار ہو گئے کہ ان کے اس مسئلے کا حل کیا ہو گا؟ کافی سوچ و بچار کے بعد آخرکار خاوند نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضری دی اور تمام واقعہ گوش گزار کر کے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے مسئلے کا حل دریافت کیا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے سارا واقعہ غور سے سنا اور ارشاد فرمایا ''میاں! جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے ہنسی خوشی بات کرو۔ تم میں سے کوئی گنہگار نہ ہوگا۔'' خاوند نے پوچھا ''اے ابو حنیفہؒ! وہ کیسے؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ اس طرح کہ جب تم نے یہ کہا تھا کہ میں تم سے بات نہ کروں گا جب تک کہ تم مجھ سے بات نہ کرو گی تو اُس کے بعد اگر تمہاری بیوی خاموش رہتی تو بلاشک و شبہ تم گنہگار ہوتے لیکن جب تمہاری بیوی نے تمہارے کہنے کے فوراً بعد ہی یہ کہہ دیا کہ اللہ کی قسم! میں بھی تم سے بات نہیں کروں گی جب تک کہ تم مجھ سے بات نہ کرو گے تو اس طرح اُس نے تم سے بات کر لی اور یوں

حساب برابر ہو گیا۔ چنانچہ اب تم اُس کو بلا سکتے ہو۔ جاؤ ہنسی خوشی رہو۔"

(جواہر البیان)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ذہانت، قابلیت اور لیاقت و اہلیت کو اکثر حسد اور رقابت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا اور تمام عمر رہا۔ آپؒ کے حاسدین آپؒ پر طرح طرح کے حملے کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر رب رحمٰن و رحیم کی عنایت اور فضل و کرم سے آپ ہمیشہ مامون و محفوظ رہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فن مغازی کے امام محمد بن اسحٰق اور حضرت امام ابو حنیفہؒ دونوں خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور عباسی کے دربار میں موجود تھے۔ محمد بن اسحٰق کی خواہش تھی اور دیرینہ خواہش تھی کہ کسی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ کو نیچا دکھایا جائے اور خلیفۂ وقت کی نگاہوں میں آپؒ کی قدر و منزلت کم کی جائے۔

چنانچہ محمد بن اسحٰق نے موقع غنیمت جان کر خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور عباسی کی موجودگی میں حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا: "اے ابو حنیفہؒ! یہ تو بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ تجھ پر تین طلاق اور پھر تھوڑی دیر بعد کہے انشاء اللہ تعالیٰ، تو کیا اس عورت کو طلاق ہو جائے گی؟" حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فوراً جواب دیا "جی ہاں! اس عورت کو طلاق ہو جائے گی اس لیئے کہ اس شخص نے اپنے طلاق والے جملے سے انشاء اللہ تعالیٰ کو الگ کر دیا ہے اس لیئے یہ استثناء فائدہ مند نہ ہوگا۔"

محمد بن اسحٰق نے کمال ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے فوراً خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور عباسی سے کہا: "اے امیر المومنین! آپ ذرا امام ابو حنیفہؒ کی جرأت ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کے دربار میں آپ ہی کے سامنے آپ کے جدامجد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مسلک کی مخالفت کر رہے ہیں حالانکہ آپ کے جدامجد کا اس بارے قول یہ ہے کہ اگر انشاء اللہ تعالیٰ کلام سے الگ کر کے کہا جائے تو پھر بھی یہ استثناء فائدہ مند ہوتا ہے۔"

ابو جعفر منصور عباسی نے یہ بات سنی تو فوراً غصے سے تلملا اُٹھا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: "تمہاری یہ جرأت کہ تم میرے دربار میں میرے جدامجد کے قول کی مخالفت کرو۔" حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس موقع پر انتہائی صبر و تحمل اور

بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ ارشاد فرمایا:

''اے امیر المومنین! حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول بالکل صحیح ہے اور ان کے قول کا مطلب کچھ اور ہے جبکہ محمد بن اسحٰق کا اس حوالے سے مقصد کچھ اور ہے۔'' خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور عباسی نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا: ''دراصل محمد بن اسحٰق یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی بیعت کرنے کے بعد جب باہر نکلیں تو انشاء اللہ کہہ دیں تاکہ آپ کی بیعت سے نکل جائیں اور آپ کی بیعت ختم ہو جائے۔''

خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور عباسی کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا استدلال دل کو لگا اور اس نے کہا: ''اے ابوحنیفہؒ! تم ٹھیک کہتے ہو۔'' اس کے بعد ابوجعفر منصور عباسی نے محمد بن اسحٰق کو غصے کے عالم میں حکم دے کر قید خانے میں ڈلوا دیا۔ یوں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی بے مثل ذہانت کے ساتھ محمد بن اسحٰق کا کیا ہوا اسی پر ہی الٹ دیا۔

(روح البیان)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے جہاں دو چار حاسدین تھے وہاں رب غفور و رحیم نے آپؒ کو قدردانوں کی ایک وسیع جماعت اور کثیر الجہت حلقہ سے نواز رکھا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ کے بھائی وصال فرما گئے۔ حضرت ابوبکر بن عیاشؒ بیان کرتے ہیں کہ: ''ہم لوگ تعزیت کی غرض سے حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس گئے۔ اُس وقت اُن کے پاس وہاں بہت سے علماء اور مشائخ عظام بھی تشریف فرما تھے۔ ہم حضرت سفیان ثوریؒ سے اُن کے بھائی کی وفات پر تعزیت کر ہی رہے تھے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی اپنے تلامذہ کے ہمرکاب وہاں آ پہنچے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے جیسے ہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا تو اپنی مسند سے اُٹھ کر تعظیماً کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی کے ساتھ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا استقبال کیا اور آپؒ سے انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ معانقہ کیا۔ پھر حضرت امام ابوحنیفہؒ کو حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنی مسند پر بٹھا دیا اور خود انتہائی مؤدبانہ انداز میں ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت امام ابوحنیفہؒ واپس تشریف لے گئے تو میں نے

Marfat.com

حضرت سفیان ثوریؒ سے کہا کہ حضرت! آج آپ کا یہ طرز عمل مجھے اور میرے ساتھیوں کو کچھ زیادہ ہی مبالغہ آمیز محسوس ہوا ہے۔ یہ سن کر حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ اسمیں کونسا مبالغہ تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ بلند مرتبہ صاحب علم و دانش ہیں۔ اعلیٰ پائے کے فقیہ اور مستند محدث ہیں۔ پھر میں اُن کی تعظیم کے لیئے کیوں نہ اُٹھتا! اگر میں ان کے علم کی تعظیم کے لیئے کھڑا نہ ہوتا تو ان کی فقہ کے لیئے کھڑا ہوتا۔ اگر ان کی فقہ کے لیئے کھڑا نہ ہوتا تو اُن کے تقویٰ کے لیئے کھڑا ہوتا اور اگر ان کے تقویٰ کے لیئے کھڑا نہ ہوتا تو اُن کی عمر کا خیال کر کے ہی کھڑا ہو جاتا۔ یہ بات فرما کر حضرت سفیان ثوریؒ نے مجھے بالکل ہی لاجواب کر دیا۔" (تاریخ بغداد)

حضرت سفیان ثوریؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تقویٰ کا حوالہ محض حضرت ابوبکر بن عیاشؒ کو جواب دینے کے لیئے ہی نہیں دیا تھا بلکہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ تقویٰ کے کمال درجہ پر فائز تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ایسے علاقہ میں ایک شخص کی موت واقع ہوگئی جہاں آپؒ کا ایک قرض دار رہتا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نماز جنازہ کے لیئے وہاں پہنچے تو ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ گرمی کا موسم تھا اور سورج اپنی جولانی پر تھا۔ تپش سے لوگوں کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک مکان کی دیوار کے قریب کچھ جگہ پر سایہ ہے۔ انہوں نے از راہ عقیدت حضرت امام ابو حنیفہؒ سے عرض کی "یا حضرتؒ! ادھر سائے میں تشریف لے آیئے جہاں آپؒ کھڑے ہیں وہاں تیز دھوپ ہے" حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا "میں وہاں اس دیوار کے سائے میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔" لوگوں نے پوچھا "آخر اس کی کیا وجہ ہے؟" حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: "دراصل جس دیوار کے سائے میں کھڑا ہونے کے لیئے آپ مجھے بلا رہے ہیں وہ دیوار میرے ایک قرض دار کے مکان کی ہے۔ چونکہ صاحب خانہ میرا مقروض ہے اس لیئے اس کے مکان کے سایہ سے استفادہ کرنا میرے لیئے جائز نہیں کیونکہ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ قرض کی وجہ سے جو نفع بھی حاصل ہو وہ سود کہلاتا ہے۔"

اسی طرح ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے ایک دوست حضرت

Marfat.com

شفیق بلخیؒ کے ساتھ کوفہ کے بازار میں جا رہے تھے۔ اتنے میں کیا ہوا کہ دُور سے ایک آدمی نظر آیا جو اسی طرف آ رہا تھا جس طرف حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپؒ کے دوست حضرت شفیق بلخیؒ تھے۔ جب تک اُس آدمی نے آپ دونوں کو نہ دیکھا تھا وہ اپنے دھیان میں آگے بڑھتا رہا لیکن جیسے اُس کی نظر حضرت امام ابو حنیفہؒ پر پڑی تو وہ جلدی سے دوڑ کر ایک گلی میں مڑنے لگا۔

اتفاق سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُسے یوں اچانک راستہ بدلتے دیکھ لیا۔ آپؒ نے اُسے گلی کی طرف مڑتے وقت آواز دی ''میاں! اِدھر آؤ۔ تم جس راستے پر آ رہے تھے اُسی پر چلے آؤ۔ راستہ بدل کیوں رہے ہو؟''

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی آواز سن کر وہ آدمی وہیں رُک گیا۔ آپؒ اُس کے قریب پہنچے اور اُس سے پھر پوچھا ''کیوں بھائی تم نے اپنا راستہ کیوں بدلا؟ ہمیں دیکھ کر تم نے ایسا کیوں کیا؟'' اُس شخص نے شرمندگی کے عالم میں جواب دیا: ''یا حضرتؒ! دراصل بات یہ ہے کہ کچھ دن پہلے میں نے آپ سے دس ہزار درہم قرض لیئے تھے۔ میں نے انتہائی کوشش کی کہ آپؒ کو وہ رقم لوٹاؤں لیکن ابھی تک اس قابل نہیں ہوا کہ آپؒ کی رقم ادا کر سکوں۔ اب آپؒ کو دیکھا تو دل میں شرمندہ ہوا۔ سوچا کہ اگر آپؒ نے اپنا قرض مانگ لیا تو کیا جواب دوں گا۔ بس یہی وجہ تھی کہ میں منہ چھپا کر نکل جانا چاہتا تھا۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس شخص کی تمام بات انتہائی توجہ اور نرمی سے سنی اور فرمایا: ''سبحان اللہ! بس اتنی سی بات پر تم نے مجھے دیکھ کر راستہ بدل لیا اور مجھ سے چھپنے کی کوشش کی حالانکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جاؤ میں نے یہ رقم تمہیں معاف کر دی کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص مجھے دیکھ کر شرمندگی محسوس کرے۔''

وہ شخص حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس رویے اور قرض کی معافی پر بہت خوش ہوا اور دل ہی دل میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو دعائیں دیتا ہوا آگے بڑھنے لگا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُسے پھر بلایا۔ وہ قریب آیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''بھائی! مجھے دیکھ کر تمہارے دل میں شرمندگی، خوف یا جو بھی
کیفیت پیدا ہوئی اور اس سے تمہیں ضرور تکلیف ہوئی ہو گی

اللہ کے لیئے مجھے اس پر معاف کر دو کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ
کسی کو میری وجہ سے ذرا سی بھی تکلیف ہو۔"

خدا کی مخلوق کے ساتھ محبت اور ان کے احساسات و جذبات کی قدر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے لیئے حد درجہ اہمیت رکھتی تھی۔ آپؒ کسی کے جذبات مجروح ہونے سے از حد خوف کھاتے تھے اور حتی الوسع کوشش کرتے تھے کہ کسی کو آپؒ کی وجہ سے تھوڑا سا بھی تردد نہ ہو۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں ایک آوارہ شخص رہتا تھا وہ کسی دکان پر ملازم تھا۔ دن میں وہ دکان پر کام کرتا اور رات کو نشہ کر کے اپنے گھر میں خوب غل غپاڑہ کرتا۔ ساز و آواز کا وہ طوفان برپا کرتا کہ سکون کا سانس تو دور کی بات، سونا اور بیٹھنا محال ہو جاتا جبکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو تمام رات عبادت و ریاضت میں گزارنا ہوتی تھی۔ آپؒ کا معمول تھا کہ روزانہ ایک ختم قرآن پڑھتے اور تہجد کے وقت تو ایک خاص قسم کی سرشاری اور خدا مستی کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ہمسائے کا ہنگامہ جاری رہتا۔ آپؒ کا ہمسایہ غل غپاڑہ کے دوران ایک شعر اکثر گایا کرتا جس کا مفہوم یہ تھا کہ لوگوں نے مجھے ہاتھ سے کھو دیا اور مجھے کھو کر ایسے شخص کو کھویا جو لڑائی اور فساد کے دن کام آنے والا تھا۔

اگرچہ آپؒ کے ہمسائے کا یہ ہنگامہ آپؒ کی عبادت و ریاضت میں کسی حد تک خلل پیدا کرتا لیکن محض ہمسائیگی کا خیال کر کے حضرت امام ابو حنیفہؒ اُس کی اس ایذا رسانی پر صبر فرماتے اور اُسے کبھی کچھ نہ کہتے۔

مگر ایک دن ایسا ہوا کہ رات کو ہنگامہ اور غل غپاڑہ کی بجائے خاموشی طاری رہی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو حیرانی بھی ہوئی اور پریشانی بھی کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ آپؒ سوچ رہے تھے کہ خدا خیر کرے کہ اُس کا ہمسایہ کسی تکلیف میں نہ ہو۔ تہجد کا وقت ختم ہوا۔ مؤذن نے فجر کی اذان دی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نماز فجر کی ادائیگی کے لیئے مسجد تشریف لے گئے مگر تمام راستہ یہی سوچتے رہے کہ آخر اُن کے پڑوس میں سناٹا کیوں ہے؟ نماز سے فارغ ہونے

Marfat.com

کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پہلا کام یہی کیا کہ اپنے پڑوسی کے مکان پر تشریف لے گئے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پڑوسی کے مکان پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک بچی روتی ہوئی باہر آئی۔ آپؒ نے اُس سے پوچھا ''بیٹا! آپ کے ابو کہاں ہیں؟'' بچی نے بتایا: ''میرے والد کو آوارہ گردی کے جرم میں کوتوال شہر نے گرفتار کر لیا ہے اور وہ اس وقت قید خانے میں ہیں۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جیسے ہی ہمسائے کی بیٹی سے اُس کے والد کی گرفتاری کی خبر سنی تو آپؒ نے فوراً اپنی سواری منگوائی اور اُس پر سوار ہو کر کوتوالی پہنچے۔ آپؒ نے کوتوالی پہنچ کر کوتوال شہر کو اپنی آمد کی اطلاع بھیجی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کوتوالی تشریف لے گئے تھے۔

کوتوال شہر کو جیسے ہی آپؒ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو وہ حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ اُس نے فوراً حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات کی اور پوچھا: ''یا حضرتؒ! آپؒ نے کیسے تکلیف فرمائی۔ آپؒ مجھے بلا بھیجتے تو میں خود ہی آپؒ کے گھر حاضری دینے پہنچ جاتا۔ تاہم اب آپؒ فرمایئے کہ میں آپؒ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا ''دراصل میں اپنے پڑوسی کی سفارش کے لیئے آیا ہوں۔ آپ اُسے رہا کر دیں تو اچھا ہوگا اور اس سے مجھے خوشی ہوگی۔'' کوتوال شہر نے اسی لمحے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہمسائے کو رہا کر دیا۔

جب حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے پڑوسی کو رہا کروا کر اپنے ساتھ لا رہے تھے تو آپؒ نے اُس سے پوچھا: ''بھائی! تُو اکثر گایا کرتا تھا کہ لوگوں نے مجھے کھو دیا۔ دیکھ میں نے تجھے ضائع نہیں کیا اور تجھے نہیں کھویا۔'' حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس طرزِ عمل اور حسنِ اخلاق سے آپؒ کا ہمسایہ ازحد متاثر ہوا۔ اُس نے تمام غلط کاموں سے توبہ کی اور اس کے بعد وہ نیکی اور پرہیزگاری کی طرف مائل ہو کر ایک نیک انسان بن گیا۔ یہ سب کچھ امام ابوحنیفہؒ کی قدرِ انسانیت کا نتیجہ تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فہم و فراست، علم و ذکاوت، معاملہ فہمی اور عقل و دانائی

Marfat.com

میں منارۂ نور کی حیثیت رکھتے تھے۔ ''العبر فی خبر من غبر'' جلد اوّل صفحہ 214 پر علامہ شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے کہ ''حضرت امام ابو حنیفہؒ بنی آدم میں ذہین وفطین ترین لوگوں میں سے تھے۔'' خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' جلد 13 صفحہ 364 پر محمد بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ ''حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عقل اُن کے عمل، قال اور چال ڈھال سے معلوم ہوتی تھی۔''

ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے حج کے موقع پر مسجد حرام کی تنگی دیکھ کر یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ اسے وسیع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد یہاں عبادت و ریاضت کر سکیں مگر صورت حال یہ تھی کہ مسجد حرام کے ارد گرد لوگوں نے اپنے رہائشی مکانات تعمیر کئے ہوئے تھے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور نے ان لوگوں کو کہلا بھیجا کہ ''تم منہ مانگی رقم لے لو اور مکان ہمارے پاس فروخت کر دو تاکہ ان مکانات کو گرا کر مسجد حرام کی جگہ کو وسیع کیا جائے جس سے زائرین اور حجاج کرام کی تکلیف اور پریشانی دُور ہو''۔ ان لوگوں نے کہا ''ہم جوار حرم کسی صورت نہیں چھوڑ سکتے چاہے ہمیں بڑی سے بڑی رقم بھی دی جائے۔ یہاں رہنا ہمارے لیئے باعث سعادت ہے اور ہم کسی قیمت پر بھی اس سعادت سے محروم ہونا نہیں چاہتے۔ ہمیں دولت کی نہیں سعادت کی ضرورت ہے۔''

اس صورت حال سے خلیفہ ابو جعفر منصور از حد پریشان ہوا۔ اسے اس مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ زبردستی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جوار حرم میں رہائش پذیر افراد سے کسی قسم کی زیادتی کا قائل نہیں تھا۔ قدرت خداوندی دیکھئے کہ اس سال حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی حج کی ادائیگی کے لیئے وہاں موجود تھے مگر کسی کو آپؒ کی آمد کا علم نہیں تھا۔ بات چلتے چلتے جب حضرت امام ابو حنیفہؒ کے کانوں تک پہنچی تو آپ فوراً خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس پہنچے اور کہا:

''مسجد حرام کی وسعت کے لیئے قریبی رہائشی مکانات خریدنا کوئی دشوار مسئلہ نہیں۔ اس کا حل بہت آسان ہے۔'' خلیفہ ابو جعفر منصور نے پوچھا: ''اے ابو حنیفہؒ! مجھے فوری بتائیے کہ اس مسئلہ کو بحسن و خوبی کیسے حل کیا جا سکتا ہے؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خلیفہ ابو جعفر منصور سے کہا کہ ''آپ ان مکانات کے مالکان کو بلا کر اُن سے محض اتنا

Marfat.com

دریافت کریں کہ کعبہ تمہارے جوار اور پڑوس میں اترا ہے یا تم اُس کے پڑوس میں آکر آباد ہوئے ہو؟ اگر وہ یہ جواب دیں کہ کعبہ ہمارے پاس اُترا ہے تو یہ سراسر جھوٹ ہے اور اگر وہ یہ جواب دیں کہ ہم کعبہ کے جوار میں اُترے ہیں تو پھر آپ ان سے یہ کہیں کہ اب کعبہ کے زائرین اور حجاج کرام کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی ہے اور یوں کعبہ کے مہمانوں کے لیئے صحن کی جگہ تنگ ہو کر رہ گئی ہے اس لیئے کعبہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اُس کے مہمانوں کے لیئے جگہ خالی کر دی جائے تا کہ کعبہ کے مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔'' حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس صائب مشورہ پر خلیفہ ابوجعفر منصور نے ایک بار پھر قریبی رہائشی مکانات کے مالکان کو اپنے پاس بلوایا اور اُن سے بالکل وہی بات کہی جو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہی تھی۔ اس پر اُن مالکان نے صاف صاف لفظوں میں اقرار کیا کہ ''ہم کعبہ کے جوار میں اُترے ہیں جبکہ کعبہ ہمارے جوار میں نہیں اُترا اس لیئے کعبہ کا حق فائق ہے۔ چنانچہ ہم کعبہ کے مہمانوں کے لیئے جگہ دینے کو تیار ہیں۔'' اس طرح ان لوگوں نے محض اسی ایک مدلل سوال پر اپنے مکانات خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس بیچ دیئے۔ چنانچہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے ان مکانات کو گرا کر حرم شریف کے صحن کو وسیع کر دیا اور یہ سب کچھ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فہم و فراست اور حسن معاملہ فہمی کی بدولت سرانجام پایا ورنہ خلیفہ ابوجعفر منصور کو اس مسئلہ کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

(''احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم'' صفحہ 75
از شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد مقدسی)

ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حضرت عبداللہ بن مبارک نے دریافت کیا ''یا حضرتؒ! یہ فرمایئے کہ اگر دیگ میں گوشت پکایا جا رہا ہو اور اس حالت میں اسمیں ایک پرندہ گر کر مر جائے تو پھر گوشت اور شوربہ کو کس طرح استعمال میں لائیں گے۔ اُسے پھینک دیں گے یا کھائیں گے اور اگر کھائیں گے تو اس کی کیا صورت ہو گی؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پہلے اس موقع پر موجود اپنے شاگردوں سے پوچھا ''بتاؤ تمہارا اس سوال کے بارے میں کیا جواب ہے؟'' حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ نے بالاتفاق کہا کہ ''ہم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اصول کے مطابق یہی ہدایت کریں گے کہ

Marfat.com

شوربہ گرادیا جائے اور گوشت دھو کر کھایا جائے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: "آپ نے بالکل صحیح کہا اور میں بھی یہی کہتا ہوں البتہ میں اتنی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر پرندہ دیگ میں اُس وقت گرا ہے جب کہ دیگ جوش مار رہی تھی تو گوشت اور شوربہ دونوں پھینک دیئے جائیں گے۔ اور اگر پرندہ دیگ میں اُس وقت گرا ہے جبکہ دیگ ٹھنڈی ہو چکی تھی تو پھر شوربہ پھینک دیا جائے گا اور گوشت صاف کر کے کھایا جائے گا۔"

حضرت عبداللہ بن مبارک نے دریافت کیا "یا حضرت! اس کی کیا وجہ ہے؟" حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا "اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر پرندہ دیگ میں جوش کے وقت گرا ہے تو وہ گر کر گوشت میں مل جائے گا جس طرح مصالحہ جات مل جاتے ہیں۔ اس طرح اُس کے اثرات گوشت اور شوربہ دونوں میں سرایت کر جائیں گے۔ البتہ جب دیگ ٹھنڈی ہو گی تو اُس کے اثرات گوشت کے اندر تک سرایت نہیں کریں گے بلکہ صرف شوربہ ملوث ہو گا اور یوں شوربے کو پھینک کر گوشت دھو کر استعمال کیا جا سکے گا۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس منطقی دلیل کو سب نے سراہا اور اُسے قول زریں قرار دیا۔

اسی طرح ایک شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ازحد پریشان اور متفکر تھا۔ آپؒ نے اُس سے پریشانی کا سبب پوچھا تو اُس نے بتایا کہ "میں نے اپنے گھر میں ایک چیز کسی جگہ دفن کی تھی۔ اب وہ جگہ بھول چکا ہوں۔ پتہ نہیں چل رہا کہ کونسی جگہ تھی۔ اس لیئے پریشان ہوں۔ آپؒ ہی اس کا کوئی حل بتایئے۔" حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا "چیز تم نے دفن کی تھی۔ جب تمہیں اُس جگہ کا علم نہیں تو پھر میں وہ جگہ کیسے بتا سکتا ہوں؟" اُس نے پھر عرض کی "یا حضرتؒ! آپؒ ضرور میری مدد کیجیے۔ میں تمام عمر آپؒ کا ممنون رہوں گا۔" چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اُس شخص کے گھر چلنے کا ارادہ کر لیا۔ آپؒ نے اپنے چند شاگردوں کو ساتھ لیا اور اُس شخص کے ہمراہ اُس کے گھر پہنچے۔ اب آپؒ نے اُس سے پوچھا "تمہارا خاص کمرہ کونسا ہے جسمیں تم خاص اور اہم چیزیں رکھتے ہو؟" اُس شخص نے وہ کمرہ بتا دیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے شاگردوں کے ہمراہ اُس کمرے میں تشریف لے گئے۔

اب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگردوں سے کہا ''اگر تم لوگ اس کمرہ میں کوئی چیز دفن کرتے تو کہاں کرتے؟ ہر کوئی اپنی اپنی رائے دے اور جگہ بتائے۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ کے کہنے پر پانچ طالب علموں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق پانچ مختلف جگہوں کی نشاندہی کی اور کہا کہ اگر وہ اپنی کوئی خاص اور قیمتی چیز دفن کرتے تو ان جگہوں پر کرتے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے شاگردوں کی بتائی ہوئی جگہوں کو کھودنے کا حکم دیا۔ پہلی جگہ کھودی گئی تو کچھ برآمد نہ ہوا۔ پھر دوسری جگہ کھودی گئی وہاں سے بھی کچھ برآمد نہ ہوا البتہ تیسری جگہ کے کھودنے سے اس شخص کی دفن کردہ چیز مل گئی۔ یوں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی حسن تدبیر و معاملہ فہمی سے اس شخص کو دفینہ مل گیا اور وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی لیاقت و قابلیت کا نہ صرف معترف ہوا بلکہ شکرگزار بھی۔

اسی طرح کا مسئلہ لے کر ایک اور شخص ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بھی کوئی اہم چیز دفن کر کے بھول گیا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس سے کہا ''یہ کوئی فقہی مسئلہ تو ہے نہیں کہ میں اس کا کوئی حل بتاؤں یا کوئی جواب دوں یا کسی استدلال سے اسے ثابت کروں'' اس شخص نے بے حد اصرار کیا اور اپنی بڑھتی ہوئی پریشانی کا ذکر کیا۔ آخر کار حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس شخص سے کہا کہ ''گھر جاؤ اور جب رات ہو تو رات بھر نوافل ادا کرو۔ عبادت و ریاضت کرو۔ تمہارا دفینہ تمہیں مل جائے گا۔''

وہ شخص حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ہدایت لے کر گھر پہنچا اور جیسے ہی رات ہوئی اُس نے عبادت و ریاضت کرنا شروع کر دی اور نوافل کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا۔ ابھی چوتھائی رات بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ قیام و سجود کے دوران اُسے دفینہ کی جگہ یاد آ گئی۔ اُس نے اسی لمحے وہ جگہ کھودی اور دفینہ حاصل کرنے کے بعد سو گیا۔ رات کا بقیہ حصہ آرام و استراحت کے بعد اُس نے نماز فجر ادا کی اور خوشی خوشی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پاس پہنچا۔ آپؒ نے اُس سے پوچھا ''سناؤ میاں! رات تمہارے ساتھ کیا بیتی؟ کیا دفینہ مل گیا؟''

اُس شخص نے تمام ماجرا بیان کیا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بتایا کہ ابھی تین چوتھائی رات باقی تھی کہ اُسے دفینہ یاد آ گیا۔ اس پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا: ''مجھے معلوم تھا کہ شیطان تمہیں رات بھر عبادت و ریاضت نہیں کرنے دے گا۔ وہ انسان کا صریح دشمن ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ اللہ کا کوئی بندہ اللہ کی یاد میں تمام رات گزارے اس لیئے اُس نے تمہیں حالتِ نماز ہی میں دفینہ کی یاد دلا دی اور یوں تمہیں مزید عبادت کرنے سے روک دیا۔ مجھے ازحد افسوس ہے کہ تم رب رحمٰن و رحیم کی عبادت اور شکرگزاری سے محروم رہے۔ (اخبار ابی حنیفہ والصحابہ صفحہ 25، عقود الجمان صفحہ 275)

اسی طرح ایک دفعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس کے سامنے سے ایک شخص گزرا۔ آپؒ نے اُس کو دیکھ کر کہا: ''یہ شخص اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ اس کی آستین میں شیرینی لگی ہے اور یہ بچوں کا معلم و مدرس ہے۔'' آپؒ کے ایک شاگرد نے یہ بات سنی تو اُس شخص کے پیچھے ہو لیا۔ وہ اُس شخص سے ملا اور تینوں باتوں کی تحقیق کی تو تینوں درست نکلیں۔ اُس نے واپس آ کر حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بتایا کہ آپؒ کی تینوں باتیں حرف بہ حرف صحیح تھیں۔ دوسرے شاگردوں نے سنا تو وہ حیران ہوئے۔ حیرانی کے عالم میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں نے آپؒ سے پوچھا: ''استاذ محترم! آپؒ کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟ آخر ان کی کوئی وجہ؟ کوئی سبب؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''دراصل وہ شخص راہ چلتے ہوئے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا اُس کی ایک نظر دائیں جانب پڑتی تھی تو دوسری نظر بائیں جانب ہوتی تھی۔ اور کوئی اجنبی شخص ہی ایسا کرتا ہے۔ اس کی آستین پر مکھیاں بیٹھی تھیں اس لیئے معلوم ہوا کہ اس پر شیرینی لگی ہے۔ مزید یہ کہ وہ شخص بڑوں کی بجائے زیادہ تر بچوں کی طرف دیکھتا تھا اس سے اندازہ ہوا کہ وہ بچوں کا معلم ہے۔'' (عقود الجمان صفحہ 25)

ایک دفعہ خلیفہ منصور اور اُس کی بیگم میں ایک انتہائی نازک مسئلے پر اختلاف سے بات بڑھ گئی۔ دراصل خلیفہ منصور دوسری شادی کرنا چاہتا تھا جبکہ اُس کی بیگم اس چیز کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ خلیفہ منصور نے بیگم کو سمجھانے کی ازحد کوشش کی کہ مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے جبکہ تم مجھے دوسری شادی کرنے سے روک رہی ہو۔ جب

Marfat.com

معاملے نے طول کھینچا اور خلیفہ منصور اپنی بیگم کو قائل کرنے سے قاصر رہا تو بالآخر دونوں میاں بیوی اس بات پر متفق ہو گئے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کو حَکَم مقرر کیا جائے وہ جو فیصلہ دیں وہ دونوں کو منظور ہو گا۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف قاصد بھیج کر آپؒ کو بلایا گیا۔

جب حضرت امام ابو حنیفہؒ وہاں پہنچے تو خلیفہ منصور آپؒ کو اپنے خلوت خانہ میں لے گیا۔ خلیفہ کی بیگم پس پردہ ہو بیٹھیں۔ اب خلیفہ منصور نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا ''یا حضرت! یہ فرمایئے کہ شرع میں مرد کو کتنی شادیاں کرنے کا حق ہے؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ''مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔'' جب خلیفہ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے تو فوراً بیگم سے مخاطب ہو کر کہا: ''دیکھا میں صحیح کہتا تھا کہ مرد کو چار شادیاں کرنے کا حق ہے۔ اب بتاؤ۔ اب تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی یہی فیصلہ دیا ہے جن کو ہم دونوں نے حَکَم مقرر کیا ہے۔'' اس پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے قرآن پاک کی آیت تلاوت کی جسمیں ارشاد ربانی ہے کہ ''اگر تمہیں عدل نہ کرنے کا خوف ہو تو بس ایک ہی کافی ہے۔''

خلیفہ منصور نے جب یہ آیت سنی تو خاموش ہو گیا۔ اب حضرت امام ابو حنیفہؒ باہر تشریف لے آئے اور اپنے گھر کی راہ لی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ گھر پہنچے ہی تھے کہ خلیفہ منصور کی اہلیہ کا ایک غلام اشرفیوں سے بھری ایک تھیلی لے کر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ''یا حضرتؒ! یہ اشرفیوں کی ایک تھیلی خلیفہ منصور کی بیگم صاحبہ نے آپؒ کے لیئے بھیجی ہے اور پیغام دیا ہے کہ میں آپؒ کی لونڈی ہوں۔ آپؒ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور یہ حقیر سا ہدیہ قبول فرمایئے۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس غلام کو تھیلی واپس کرتے ہوئے کہا: ''جاؤ۔ بیگم منصور کو میرا اسلام پیش کرنا اور کہنا کہ آپ کا از حد شکریہ لیکن میں ہدیہ قبول کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ وہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا اُس کے لیئے کسی قسم کے تحفے، ہدیے یا معاوضے کی ضرورت نہیں۔ یہ اشرفیوں کی تھیلی آپ واپس لے لیں۔''

(حیات امام ابو حنیفہؒ از شیخ محمد ابو زہرہ صفحہ 36)

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک دن ایک مجلس میں ایک آدمی نے ایک مسئلہ

Marfat.com

دریافت کیا۔ اس مجلس میں حضرت سفیان ثوری اور قاضی ابن ابی لیلیٰ بھی موجود تھے۔ آدمی نے پوچھا "اے ابوحنیفہؒ! ایک سانپ اپنے سوراخ سے نکلا اور اہل مجلس میں سے ایک کے اوپر چڑھنے لگا۔ اُس نے عالم اضطراب میں اپنے آپ کو بچانے کے لیئے دوسرے پر جھٹک دیا اور اسی طرح دوسرے شخص نے تیسرے آدمی پر جھٹک دیا۔ حتیٰ کہ سانپ آخری آدمی تک جا پہنچا اور اُسے کاٹ لیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ اب آپؒ یہ بتائیے کہ دیت کس پر آئے گی؟"

مجلس میں موجود افراد نے اپنی اپنی دلیل اور رائے کے مطابق جوابات دیئے۔ کسی نے کہا کہ دیت پہلے شخص پر آئے گی۔ کسی نے کہا دیت سب پر آئے گی۔ کسی نے کہا کہ دیت آخری شخص پر آئے گی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ سب کچھ خاموشی سے سنتے رہے۔ آخر میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ "جب پہلے آدمی نے سانپ کو دوسرے پر جھٹکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا آدمی تو بری الذمہ ہوگیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سب بری الذمہ ہو گئے۔ ہاں صرف آخری آدمی سے پہلے آدمی کے بارے میں کلام ہے۔ اگر اُس کے پھینکتے ہی سانپ نے کاٹ لیا تو اُس پر دیت آئے گی اور اگر کچھ وقفہ کے بعد کاٹا تو آخری سے پہلا آدمی بھی بری الذمہ ہوگیا اور جو آدمی مرا، صرف اس کی غفلت پائی گئی کیونکہ اُس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزی سے کام نہیں لیا اور سانپ کو فوری طور پر دُور نہیں پھینک دیا اس لیئے خود اُسی کا قصور ثابت ہوا۔" حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اس رائے سے مجلس میں موجود سب لوگوں نے اتفاق کیا اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فراست اور منطقی ذکاوت کی توصیف کی۔ (سیرت النعمان از مولانا شبلی نعمانی صفحہ 57)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فراست و ذکاوت کی توصیف و تعریف سبھی اہل علم اور اہل نظر کرتے تھے مگر آپؒ کے بہی خواہوں کے ساتھ ساتھ حاسدین اور بدخواہ بھی پیدا ہو گئے جن کے لیئے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہمیشہ تحمل اور بردباری سے کام لیا۔ عفو و درگزر کا رویہ رکھا اور حکمت کا مظاہرہ کیا۔ آپؒ ہمیشہ دعا گو رہے کہ "اے اللہ! جس کا سینہ ہماری وجہ سے تنگ ہو تو ہوا کرے لیکن ہمارے دل وسیع ہیں۔" (تاریخ بغداد جلد 13 صفحہ 352)

اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ "جو شخص مجھ سے عداوت کرے

اللہ تعالیٰ اس کو مفتی بنا دے"۔ (اخبار ابی حنیفہ والصحابہ صفحہ 38)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کوفہ کی جامع مسجد میں درس دے رہے تھے۔ ایک شخص اس دوران مسجد کے ایک کونہ میں کھڑا حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ آپؒ سب کچھ سنتے رہے مگر اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ اپنا درس جاری و ساری رکھا۔ شاگردوں نے کہا "استاذ محترم! ہم اس شخص کی عقل ٹھکانے لگا دیتے ہیں" حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا "تم اپنے کام سے مطلب رکھو۔ پڑھائی پر توجہ دو۔ تمہیں اس سے کیا سروکار کہ کون شخص میرے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔ یہ میرا اور اُس کا معاملہ ہے۔ تمہیں اس میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔"

حضرت امام ابو حنیفہؒ جب درس و تدریس سے فارغ ہوئے تو آپؒ نے اپنے گھر کی راہ لی۔ وہ شخص بھی آپؒ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا اور تمام راستہ آپؒ کو بُرا بھلا کہتا رہا مگر آپؒ خاموشی اور تحمل کے ساتھ اپنے راستے پر چلتے رہے۔ جب حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے مکان کے دروازہ پر پہنچے تو اُس شخص سے کہا "میاں! اللہ تمہیں خوش رکھے۔ اگر تمہاری بات ابھی تک ختم نہ ہوئی ہو تو آ کر پوری کر لو۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب بھی تمہاری باتیں سننے کو بالکل تیار ہوں۔" اُس شخص نے جب حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تحمل اور بُردباری دیکھی تو شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا۔ (عقود الجمان صفحہ 291)

ایک دفعہ 70 کے قریب خوارج نے حضرت امام ابو حنیفہؒ پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور آپؒ کو شہید کرنے کے ارادہ سے آپؒ کے پاس آئے۔ آپؒ نے اُن سے پوچھا "آخر تمہاری تلواریں میرے خون کی پیاسی ہو کر نیاموں سے کیوں نکل آئی ہیں۔ میں نے تو تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔" خارجیوں نے کہا "تمہارا قصور یہ ہے کہ تم مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے۔ اس لیئے تم واجب القتل ہو۔ اور ہم تمہیں قتل کر کے ہی دم لیں گے۔" حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا "پہلے تم اپنی تلواریں نیاموں میں کر لو۔ اس کے بعد سوال و جواب کرو۔ میں تمہارے ہر سوال کا تشفی آمیز جواب دوں گا۔ اگر تسلی نہ ہو تو پھر جو کچھ بھی جی میں آئے کر گزرنا۔" انہوں نے جواب دیا "اے ابو حنیفہؒ! ہم کسی صورت بھی تلواروں کو نیاموں میں نہیں کریں گے۔ یہ تو تمہارے خون سے رنگین ہونے

Marfat.com

کے بعد ہی نیاموں میں جائیں گی کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے ہمیں 70 سالہ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا''اچھا کہو تم کیا کہتے ہو؟'' خارجیوں نے کہا:

''اس جگہ باہر دو جنازے ہیں جن میں ایک مرد کا ہے اور دوسرا عورت کا ہے۔ مرد شراب پی کر اسی حالت میں مر گیا ہے جبکہ عورت حاملہ تھی۔ اُس نے خودکشی کی اور مر گئی۔ اب آپ ان دونوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے سوال کرنے والے خارجیوں سے پوچھا ''اچھا یہ بتاؤ کہ یہ مرد و عورت یہودی تھے یا نصرانی یا مجوسی؟'' انہوں نے جواب دیا ''یہ ان میں سے کچھ بھی نہ تھے۔'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے دریافت فرمایا: ''تو پھر یہ کس ملت سے تھے؟'' خارجیوں نے کہا: ''وہ اس ملت سے تھے جو یہ کہتے ہیں کہ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پھر پوچھا: ''یہ کلمہ ایمان کا کونسا جزو ہے؟ نصف ہے تہائی ہے یا چوتھائی؟'' خارجیوں نے کہا: ''یہ تو مکمل ایمان ہے اس لیئے کہ ایمان کے لیئے یہ پہلی شرط ہے۔'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''اب تم ہی لوگ بتاؤ کہ یہ دونوں جنازے کس کے ہوئے؟ مسلمان کے یا کافر کے؟'' خارجیوں سے جواب بن نہ پڑا تو کہنے لگے ''اچھا۔ اس بات کو رہنے دیجیے۔ دوسری بات بتائیے کہ یہ دونوں دوزخی ہیں یا جنتی؟''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''میں تو ان کے بارے وہی کہوں گا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں سے زیادہ مجرم کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''جس نے میری اتباع کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی پس اے اللہ تُو غفور و رحیم ہے۔'' اور اسی طرح وہ کہوں گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔'' اور یہ کہ میں وہ کہوں گا جو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا ''جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ پر ہے وہ جو چاہے کرے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس مدلل اور فراست آمیز و سبق آموز جواب کو سن کر

Marfat.com

خارجیوں نے اپنی تلواروں کو نیاموں میں کرلیا اور تائب ہو گئے۔

("المناقب" از علامہ کردری جلد اوّل صفحہ 164)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ایک شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ میں ملک شام میں امام اوزاعی کے پاس گیا اور ان سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: "اے عبداللہ بن مبارک! یہ کون شخص ہے جو کوفہ میں نکلا ہے اور ابوحنیفہ کنیت رکھتا ہے؟" امام اوزاعی کا لہجہ اور رویہ اُس وقت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بہتر نہیں تھا لہٰذا میں نے اُس وقت حضرت امام اوزاعی کو کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنی قیام گاہ پر آ کر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتب کا مطالعہ کرنے لگا اور تین روز تک مسلسل ان کو پڑھنے کے بعد اچھے اچھے مسائل نکالے۔

تیسرے دن میں حضرت امام اوزاعی کے پاس پھر گیا۔ اس وقت مسائل کی کتاب میرے ہاتھ میں تھی۔ حضرت امام اوزاعی نے پوچھا "میاں! یہ کونسی کتاب ہے؟" میں نے جھٹ سے وہ کتاب حضرت امام اوزاعی کو دے دی۔ انہوں نے اُسے پڑھنا شروع کیا اور ایک مسئلہ پر ان کی نظر پڑی تو میں نے دیکھا وہاں "قال النعمان" لکھا ہوا تھا۔ اذان ہو چکی تھی۔ اقامت کا وقت قریب ہو گیا تو حضرت امام اوزاعی نے اگلی صف کی طرف جاتے وقت کتاب کا مطالعہ جاری رکھا۔ پھر کتاب اپنی آستین میں رکھ کر نماز پڑھائی۔

جب امام اوزاعی نماز سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے اسے سکون و اطمینان کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پوری کتاب پڑھ لی اور مجھ سے پوچھا "اے عبداللہ بن مبارک! یہ نعمان بن ثابت کون ہے؟" میں نے جواب دیا "یہ ایک شیخ ہیں جن سے میں نے عراق میں ملاقات کی ہے" حضرت امام اوزاعی نے کہا "یہ بہت اونچے مشائخ میں سے ہیں۔ تم جا کر ان سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔"

اس کے بعد میں نے حضرت امام اوزاعی کو بتایا کہ "یہی ابوحنیفہ ہیں جن کے بارے میں آپ اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور مجھے بھی ان سے ملنے کو منع فرمایا تھا۔"

(خطیب بغدادی "تاریخ بغداد)

Marfat.com

''عقود الجمان'' میں علامہ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی دمشقی نے حضرت عبداللہ بن مبارک کا ایک اور بیان نقل کیا ہے جسمیں وہ کہتے ہیں کہ ''حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام اوزاعی دونوں کی مکہ میں ملاقات ہوئی۔ میں نے حضرت امام اوزاعی کو دیکھا کہ ان مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بحث کر رہے تھے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اس سے زیادہ وضاحت و فصاحت اور دلائل و براہین کے ساتھ ان مسائل کو بیان کر رہے تھے جن کو میں نے لکھا تھا۔ اس کے بعد میں حضرت امام اوزاعی سے ملا تو انہوں نے برملا مجھ سے کہا ''حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کثرتِ علم اور وفور عقل پر رشک آتا ہے۔ میں بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ تم ان سے مل کر علم حاصل کرو۔

(''عقود الجمان'' صفحہ 192)

''اخبار ابی حنیفہ والصحابہ'' صفحہ 81 پر حضرت امام شافعیؒ کا قول درج ہے کہ ''جو شخص ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو نہیں دیکھے گا وہ علم اور فقہ میں تبحر نہیں ہوگا۔'' حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ''حضرت امام ابوحنیفہؒ زہد، تقویٰ اور علم میں اس جگہ ہیں کہ کوئی اس مقام کو نہیں پہنچ سکا۔'' حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں ''حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں۔'' حضرت امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے ''امام ابوحنیفہؒ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے لیکن ان کی فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے معاصر مشہور صوفی بزرگ فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے کہ: ''آپؒ عظیم فقیہ، صاحب جودوکرم، شب و روز مطالعہ میں مصروف رہنے والے عبادت گزار، خاموشی کے عادی اور کم گو تھے۔ جب حلال و حرام کا کوئی مسئلہ پیش آتا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ سچی بات کہہ دیتے۔ سلطان کے مال سے آپؒ کو نفرت تھی۔''

(تاریخ بغداد جلد 13 صفحہ 340)

جعفر بن ربیع کا قول ہے کہ ''میں پانچ سال تک حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مقیم رہا۔ آپؒ سے زیادہ کم گو کسی کو نہیں دیکھا۔ جب فقہ کی کوئی بات دریافت کی جاتی تو کھل جاتے اور ندی کی طرح بہنے لگتے۔ آپؒ کی آواز بلند اور گونج دار تھی۔

Marfat.com

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے معاصر ملیح بن وکیع کہتے ہیں کہ ''حضرت امام ابو حنیفہؒ بڑے امین اور بہادر تھے۔ خدا کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دیتے۔ اللہ کی راہ میں تلوار کے زخم بھی برداشت کر لیتے۔ آپؒ بڑے نیک آدمی تھے۔''

رب ذوالجلال نے حضرت امام ابو حنیفہ کو استقلال فکر سے مالا مال کیا تھا۔ آپؒ کی فکر و نظر میں بڑی گہرائی تھی۔ دورانِ بحث آپؒ ظواہر نصوص اور عبارت کے ظاہری الفاظ تک محدود نہ رہتے بلکہ آپؒ کی عقل غواص قریب و بعید معانی کو ڈھونڈ نکالتی۔ آپؒ کا انداز فکر فلسفیانہ تھا۔ آپؒ بڑے زیرک تھے اور خوب جانتے تھے کہ حریفِ مقابل کو خاموش کرانے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ طلبِ حق میں از حد مخلص تھے۔ جذبۂ اخلاص ہی سے آپؒ کو رفعت شان، روشنی قلب و ضمیر اور نور معرفت حاصل ہوا۔ دین کے فہم صحیح کے علاوہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کوئی آرزو نہ تھی۔ آپؒ ہمیشہ راہِ حق کی پیروی کرتے رہے اور کبھی یہ نہ سوچا کہ غالب ہوں گے یا مغلوب بلکہ جب تک آپؒ حق کا دامن تھامے رکھتے اپنے آپ کو غالب تصور کرتے۔ ان جملہ صفات پر ایک اور صفت غالب تھی۔ شاید وہ خصوصی عنایتِ پروردگار تھی اور وہ تھی آپؒ کی شخصی قوت، اثر و نفوذ، شکوہ و دبدبہ، مقناطیسی جاذبیت اور روحانی قوت۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نہایت وجیہ و شکیل اور حسین و جمیل انسان تھے۔ قد درمیانہ تھا۔ گفتگو نہایت شیریں اور آواز نہایت سریلی تھی۔ بولتے تھے تو بڑے سے بڑے مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا تھا آپؒ کے دیکھنے والوں نے آپؒ کو حُسن الوجہ، حُسن الثیاب، حُسن المجلس اور شدید الکرم بتایا ہے۔ (تاریخ بغداد جلد 13 صفحہ 331)

حضرت امام ابو حنیفہؒ چونکہ نہایت فہیم بھی تھے اور محاسنِ صورت و سیرت کے حوالے سے وسیم بھی۔ مزید یہ کہ حضرت امام حمادؒ کے انتقال کے بعد آپ ایک مستقل معلم، مفتی اور درسگاہِ کوفہ کے صدر نشین ہو گئے تھے۔ آپؒ دور اندیش اور گہری بصیرت کے مالک تھے۔ آپؒ نے سوچا کہ اب علم کسی ایک جگہ یا کسی ایک فرد کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ اطراف عالم میں بکھر چکا ہے۔ اس کو اگر یکجا نہ کیا گیا تو اُس کے ضائع ہونے کا

خطرہ تھا۔ لہٰذا آپؒ نے فیصلہ کیا کہ علم کو اصول وضوابط کے تحت مرتب و مدون کر دینا چاہیئے لہٰذا حضرت امام ابو حنیفہ نے 120 ہجری ہی سے اپنی درسگاہ کو اس نہج پر چلایا کہ تدوین کا کام جاری وساری رہا۔

ترتیب و تدوین کے کام کی ضرورت و اہمیت کو نہ صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ نے محسوس کیا بلکہ اُس دور کے اکثر اہل علم نے اسے شروع کرنے کا جواز پیش کیا۔ مزید یہ کہ عام مسلمان بھی منتشر علم کی وجہ سے پریشان تھے۔ چنانچہ ابن المقفع نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو اپنے ایک خط میں لکھا کہ:

> ''عدالتوں میں بدنظمی چھائی ہوئی ہے۔ ان میں کسی مشہور قانون کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا بلکہ ان فیصلوں کا دارومدار قاضیوں کے اپنے اجتہاد پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شہر میں متضاد احکام صادر ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ایک قاضی کے حکم کے مطابق اگر کوفہ کے ایک علاقہ میں بعض لوگوں کی جان و مال اور عصمت کے خلاف فیصلہ دیا جاتا ہے تو دوسرے علاقہ میں دوسرے قاضی کے فیصلہ کے مطابق اس کی حمایت میں فیصلہ صادر ہوتا ہے اور یوں ایک عجیب سی صورت حال پیدا ہو چکی ہے جس کا تدارک ضروری ہے۔''
>
> (فقہ الاسلام'' صفحہ 327 از الخطیب حسین احمد مصری)

اس صورت حال کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ کوئی قانون مدون نہیں تھا اور اس کا تدارک اور حل محض یہی تھا کہ متفقہ قانون مرتب و مدون کیا جائے تاکہ تمام مفتی حضرات اُس کی روشنی میں فیصلے صادر کر سکیں۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس مقصد کے حصول کے لیئے ایک مجلس شوریٰ جو دراصل مجلس مباحثہ تھی قائم کی تاکہ پوری بحث و تمحیص کے بعد کوئی ضابطہ یا قانون تحریر میں لایا جائے۔ ''الجواہر المضیہ'' جلد اوّل صفحہ 14 پر ابن ابی الوفاء نے علامہ موفق کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے مسلک کی بنیاد مشورہ پر رکھی اور مجلس و مشاورت سے کٹ کر فقہ کو صرف اپنی ذات پر موقوف نہیں رکھا۔''

Marfat.com

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہر فن اشخاص کا انتخاب کیا۔ یہ سب حضرات درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے اور ہر شخص اپنے فن میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ ان چالیس افراد میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور خصوصی مجلس تھی جس کے ارکان میں ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، احمد بن عمر، یوسف بن خالد، یحییٰ بن زائدہ، امام محمد عبداللہ بن مبارک اور خود حضرت امام ابوحنیفہؒ تھے۔ مشہور محدث وکیع بن الجراح نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین فقہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''حضرت امام ابوحنیفہؒ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی تھی جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر، محمد عبداللہ بن مبارک جیسے لوگ قیاس واجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مہذل جیسے ماہرین حدیث اُن کے ساتھ تھے۔ اور لغت وعربیت کے ماہر قاسم بن معن یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی، فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ اور پرہیزگاری رکھنے والے حضرات موجود تھے۔ لہٰذا جس کے رفقاء کار اور ہم نشین ایسے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ واپس کرنے والے تھے۔ (''جامع المسانید'' از امام ابوالموید صفحہ 33)

حضرت امام ابوحنیفہؒ مختلف شرعی مسائل کے حل کے لیئے استنباط سے اس طرح کام لیتے تھے کہ اوّل کتاب اللہ سے رجوع کیا جاتا تھا پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد آثار صحابہؓ سے مدد لی جاتی ہے اور آخر میں قیاس کا پہلو زیرغور لایا جاتا تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی نظر احادیث کے ضمن میں بہت گہری اور مشاق تھی۔ آپؒ حدیث کے قوی، ضعیف اور مشہور ہونے کا خاص خیال رکھتے تھے۔

Marfat.com

آپؒ استنباط مسائل میں ہمہ قسم کی جزئیات کو بھی زیر بحث لاتے تھے اور اُن باتوں پر بھی غور کرتے تھے جو ابھی تک وقوع پذیر نہیں ہوئیں لیکن جن کے وقوع پذیر ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اس ضمن میں خود فرماتے ہیں:

''اہل علم کو چاہیئے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے اُن کو بھی سوچ لیں تا کہ اگر ویسا واقعہ ہو جائے تو انہیں انوکھی بات نظر نہ آئے بلکہ معلوم رہنا چاہیئے کہ ان امور میں اگر کسی کو مبتلا ہونا پڑے تو ابتلاء کے وقت شرعاً کیا کرنا چاہیئے۔ (المناقب الموفق صفحہ 60)

مشہور محدث قیس بن ربیع کہتے ہیں کہ:

''امام ابو حنیفہؒ ان مسائل کو بھی سب سے زیادہ جانتے تھے کہ جن کا وجود ہی نہیں ہوا تھا۔''

یہی وجہ تھی کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ مجلس تدوین میں ان تمام مسائل پر بحث فرماتے تھے کہ جن کے وقوع کا امکان ہوسکتا تھا۔ آپؒ کے اردگرد آپؒ کے شاگردان رشید کا مجمع ہوتا تھا اور آپؒ ان کے سامنے جزئیات پیش کرتے۔ پھر ان سے کہا جاتا کہ مکمل سوچ بچار اور دلیل کے ساتھ جواب دیں۔ اگر سب کا جواب ایک جیسا ہوتا تو مسئلہ اُسی وقت ضابطۂ تحریر میں لایا جاتا تھا ورنہ بحث اُس وقت تک جاری رہتی تھی جب تک متفقہ رائے قائم نہ ہو جاتی۔

بحث و تمحیص کے دوران کتابت کا فریضہ امام ابو یوسف، یحییٰ بن زکریا بن زائدہ اور اسد بن عمر سرانجام دیتے تھے۔ اختلافات کے ساتھ بحث جاری رہتی تھی۔ ہر کوئی اپنی اپنی دلیل کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کرتا تھا۔ کسی کی دلیل رد ہو جاتی تھی اور کسی کی دلیل اس قدر مضبوط اور جامع ہوتی تھی کہ دوسرے اس کے بارے میں کئی کئی دنوں تک سوچ بچار کرتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی ایک ہی مسئلہ پر کئی کئی ماہ بھی گزر جاتے تھے مگر بحث جاری رہتی تھی۔ جوں جوں بحث طول پکڑتی تھی اس میں بوریت کی بجائے دلچسپی کا عنصر غالب ہوتا جاتا تھا البتہ اس دوران حضرت امام ابو حنیفہؒ اکثر و بیشتر اوقات

خاموش رہتے تھے اور انتہائی انہماک و اشتیاق کے ساتھ بحث سنتے رہتے تھے تاہم بعض اوقات درمیان میں یہ آیت پڑھ دیا کرتے تھے کہ:

''آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری دیں جو بات سنتے ہیں
اور احسن قول کا اتباع کرتے ہیں۔''

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ بحث بہت طویل ہو جاتی اور اس کی طوالت کے باوجود کسی نتیجے پر پہنچنے کے امکانات معدوم نظر آتے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنی تقریر شروع کر دیتے اور ایسا محکم و مدلل فیصلہ فرماتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تو اس صورت میں سب کی آراء لکھ لی جاتیں۔ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا کہ جب تک مجلس شوریٰ کے خصوصی اراکین جمع نہ ہوں کوئی مسئلہ طے نہ کیا جائے۔ چنانچہ ''الجواہر المضیہ'' کے مصنف ابن ابی الوفاء نے عافیہ بن یزید کے تذکرے میں اسحاق سے روایت کی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ آپس میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے کہ ''ذرا عافیہ کو آنے دو۔ ان سے رائے لے کر فیصلہ کریں گے۔'' چنانچہ جب عافیہ بن یزید تشریف لے آتے تو اُن کے سامنے مسئلہ بیان کیا جاتا۔ اس مسئلہ کے بارے میں ہر ایک کی رائے اور اختلاف سے انہیں آگاہ کیا جاتا۔ عافیہ بن یزید تمام گفتگو اور کارروائی غور سے سماعت کرتے اور اگر وہ بیان کردہ آراء سے اتفاق کرتے تو پھر مسئلہ اور اُس کا حل قلم بند کر لیا جاتا۔ اس طرح جب کوئی مسئلہ حل ہو جاتا تو فرطِ مسرت و انبساط اور جوشِ اتفاق سے سب مل کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے جس سے مجلس مشاورت و تدوین کی فضا منزہ و مطہر ہو جاتی۔ ہر ایک چہرہ کھلکھلا اُٹھتا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی خوشی کا اظہار کرتے۔

اس بحث و تمحیص اور ترتیب و تدوین میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بائیس (22) برس کا عرصہ لگا۔ کتب مرتب ہوئیں تو ''فقہ ابی حنیفہؒ'' کے نام سے مشہور و معروف ہوئیں۔ یہ مجموعہ تقریباً 83 ہزار دفعات پر مشتمل تھا اور یہ بہت وقیع و وسیع کام تھا کہ جو پہلے کسی دور میں نہیں کیا گیا تھا۔ ان دفعات میں سے 38 ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے۔ باقی

Marfat.com

45 ہزار مسائل کا تعلق معاملات وعقوبات سے تھا۔ (جامع المسانید صفحہ 45)

''فقہ ابی حنیفہ'' کے مجموعہ کی ترتیب اس طرح تھی کہ سب سے پہلے باب الطہارت تھا۔ پھر باب الصلوٰۃ، باب العبادات اور پھر دوسرے ابواب تھے۔ ان کے بعد باب المعاملات اور باب العقوبات تھے۔ آخر میں باب المیراث تھا۔ یہ مجموعہ اگرچہ 144 ہجری سے پہلے مرتب ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے بھی ہوتے رہے اور اس کی اہمیت وضرورت اور وقعت وقدرومنزلت بڑھتی رہی۔ ''جامع المسانید'' میں ہے کہ اضافہ کے بعد اس مجموعہ میں مسائل کی تعداد تقریباً 50 لاکھ ہوگئی تھی۔

اس مجموعہ کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانے ہی میں شہرت حاصل ہوگئی تھی۔ اسکے جس قدر اجزاء تیار ہو جاتے تھے ہاتھوں ہاتھ چلے جاتے تھے۔ عدالتوں میں قاضی حضرات نے سرکاری طور پر ان اجزاء کو رکھوا لیا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ مدون شدہ قانون اُس وقت کے تمام علماء اور والیانِ ریاست کے کام آیا۔ یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں کہ ''خلفاء، حکام، آئمہ سبھی لوگ امام ابو حنیفہؒ کے تدوین کردہ فقہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔''

''فقہ ابی حنیفہؒ'' کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب ''سیرت النعمان'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''غالباً یہ بہت بڑا مجموعہ تھا ''عقود الجمان'' کے مصنف نے ''کتاب الصیانۃ'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جس قدر مسائل مدون کئے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد چاہے کچھ بھی ہو لیکن اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ ان مسائل کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔''

اس مجموعہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مختلف کتابوں کا بھی ذکر علامہ کوثری نے کیا ہے جن میں کتاب الرائے، کتاب اختلاف الصحابہؓ، کتاب الجامع کتاب السیر، کتاب الاوسط، الفقہ الاکبر، العالم والمتعلم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یوں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تمام کتب صاحبان فکرونظر کے لیئے تحقیق وتفہیم کے نئے زاویے متعین کرنے اور اصلاح وابلاغ کے تازہ ابواب کھولنے میں مدد ومعاون ثابت ہوئیں مگر آپؒ کے درسی افادات کا مجموعہ ''کتاب الآثار'' ایک ایسا ذخیرۂ احادیث ہے جو آپؒ نے اپنے ذہین وفطین تلامذہ قاضی ابو یوسف، زفر بن ہذیل، حسن بن زیاد اور محمد بن حسن الشیبانی وغیرہ کے سامنے دوران تدریس بیان فرمائیں اور انہوں نے انہیں قلمبند کر کے مجموعوں کی شکل دے دی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پیشتر جتنے مجموعے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود تھے ان کی ترتیب فنی لوازمات کی حامل نہیں تھی مگر ''کتاب الآثار'' پہلی کتاب ہے جسمیں ترتیب وتبویب کا ایک خاص ضابطہ ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری کتب کی طرح ''کتاب الآثار'' کے راویوں کی تعداد ایک سے زائد ہونے کی وجہ سے اس کے نسخے بھی ایک سے زائد ہو گئے جن میں سے چار نسخوں کو زیادہ شہرت ملی۔ ان میں ''کتاب الآثار'' بروایت محمد بن حسن، ''کتاب الآثار'' بروایت قاضی ابو یوسف، ''کتاب الآثار'' بروایت زفر بن ہذیل اور ''کتاب الآثار'' بروایت حسن بن زیاد شامل ہیں۔

ان چار نسخوں کا موازنہ کیا جائے تو تاریخ کے صفحات اور گردش لیل ونہار کا ایجاب وقبول ہمیں یہی بتاتا ہے کہ سب سے زیادہ شرف قبولیت حضرت محمد بن حسن کے روایت کردہ نسخہ کو حاصل ہوا۔ مشہور محقق وسوانح نگار شیخ ابوزہرہ مصری اپنی کتاب ''حیاۃ حضرت امام ابوحنیفہؒ '' میں ''کتاب الآثار'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ کتاب علمی طور پر تین وجوہات کی بناء پر قدرومنزلت اور ارفع واعلیٰ مقام کی حامل ہے۔ اولاً یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مرویات کا ذخیرہ ہے اور اس کے ذریعہ ہمیں علم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے استخراجِ مسائل میں احادیث کو کیسے دلائل کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دوم یہ کہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ امام موصوف کے یہاں مواقع استدلال میں فتاویٰ

Marfat.com

صحابہ اور احادیث مرسلہ کا کیا مقام تھا۔ سوم یہ کہ اس کتاب
کے ذریعے تابعین فقہائے کوفہ کے خصوصاً اور فقہائے عراق
کے عموماً فتاویٰ تک ہماری رسائی ہو جاتی ہے۔''

امام ابو بکر زرنجری کا فرمان ہے کہ ''حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ''کتاب الآثار'' کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔'' (المناقب الموفق) حضرت علامہ علی قاری لکھتے ہیں کہ ''حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی تصانیف میں 70 ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور 40 ہزار احادیث سے ''کتاب الآثار'' کا انتخاب کیا ہے۔ جلیل القدر محدث اور حضرت امام بخاریؒ کے شیخ حضرت امام عبداللہ بن مبارک نے ''کتاب الآثار'' کی رفعت و جلالت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آثار کو روایت کیا تو اتنی تیزی سے چلے جیسے بلندی سے شکاری پرندے اُڑتے ہوں۔ ان کی نظیر نہ تو عراق میں تھی، نہ کوفہ میں اور نہ مشرق و مغرب میں۔''

حدیث کی دوسری کتاب کی طرح ''کتاب الآثار'' پر بھی علمی کام کیا گیا ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہر اُستاد کی مرویات کو یکجا کر کے اس کو مسند ابوحنیفہؒ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ شیخ ابو زہرہ مصری نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسانید کی تعداد بالتفصیل پندرہ (15) بتائی ہے۔ مسانید حضرت امام ابوحنیفہؒ پر مختلف حضرات نے کام کیا جبکہ امام ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی نے تمام مسانید کو یکجا جمع کر کے اسے ''جامع المسانید'' کا نام دیا۔ خوارزمی نے ''جامع المسانید'' کو فقہی ابواب کے حوالے سے مرتب کر کے دین اسلام کی یادگار تبلیغ و تشہیر کا فریضہ سرانجام دیا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے احادیث کی تدوین و تبویب اور قوانین فقہ کی تشکیل و تعمیر کے ساتھ ساتھ اپنے تلامذہ کی ذہنی، فکری اور عملی تربیت کا بھی خاص خیال رکھا۔ آپؒ ایک مہربان اُستاد، مشفق مدرس اور عظیم معلم اخلاق کے طور پر اپنے تلامذہ کی تربیت کرتے رہے۔ اصلاح و تربیت نفس کے ہمرکاب حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ممتاز شاگردوں کے نام طویل وصیت نامے بھی تحریر کئے جو دراصل اسلامی تعلیمات کا عرق اور آپؒ کے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ ان کے عمیق مطالعہ سے معرفت الٰہی

تصفیۂ قلب، تزکیۂ نفس، ایمانی فراست اور جذبۂ انقلاب امت کے احساسات تقویت پذیر ہوتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے وصیت ناموں میں دو مکتوب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں ایک آپؒ کے شاگرد عزیز قاضی ابو یوسف کے نام ہے جبکہ دوسرا یوسف بن خالد سمتی کے نام لکھا گیا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے قاضی ابو یوسف کے نام مکتوب میں لکھا ہے کہ:

''سلطانِ وقت کی عزت و عظمت کا خیال رکھو مگر اُس کے پاس ہمہ وقت حاضر باش نہ رہو جب تک کہ تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے۔ جب تم اُس سے بکثرت ملاقات کرو گے تو وہ تمہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا اور تمہارا مقام اس کی نظر سے گر جائے گا۔ پس تم اس کے ساتھ ایسا معاملہ رکھو جیسا کہ آگ کے ساتھ رکھتے ہو کہ تم اس سے نفع بھی اٹھاتے ہو اور اس سے دُور بھی رہتے ہو۔ اس لیئے کہ بادشاہِ وقت کسی دوسرے کے لیئے وہ مراعات نہیں چاہتا جو اپنی ذات کے لیئے چاہتا ہے اور اس کے قریب کثرت کلام سے بچو کہ وہ گرفت کرے گا تاکہ اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ دکھا سکے کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ سلطانِ وقت کے دربار میں ایسے وقت نہ جاؤ جبکہ وہاں دیگر ایسے اہل علم نشست رکھتے ہوں جن سے تم متعارف نہیں اس لیئے کہ تمہارا علمی مرتبہ اگر اُن سے کم ہو گا تو ممکن ہے کہ تم اُن پر فوقیت حاصل کرنے کی کوشش کرو گے مگر یہ جذبہ تمہارے لیئے ضرر کا باعث ہو گا۔ سلطانِ وقت کے مقربین اور حاشیہ برداروں سے الگ رہو تاکہ تمہارا وقار اور عزت و منزلت برقرار رہے۔

Marfat.com

عوام الناس اور تاجروں سے علمی بات کے علاوہ دوسری کوئی بات نہ کرو تاکہ ان کو تمہاری محبت و رغبت فی المال کا وقوف نہ ہو ورنہ وہ لوگ تم سے بدظن ہوں گے اور یقین کر لیں گے کہ تم اُن سے رشوت لینے کا میلان رکھتے ہو۔ کسی رہگذر پر نہ بیٹھا کرو۔ اگر بیٹھنے کو دل چاہے تو مسجد میں بیٹھو۔ بازار اور مساجد میں کوئی چیز تناول نہ کرو۔ مخمل اور انواع و اقسام کے ریشمی ملبوسات نہ پہنو کہ ان سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔

پہلے علم حاصل کرو، پھر حلال ذرائع سے مال جمع کرو۔ پھر ازدواجی زندگی اختیار کرو۔ زمانہ طالب علمی میں اگر تم حصول مال کی جدوجہد کرو گے تو حصول علم سے قاصر رہو گے۔ خشیتِ الٰہی، ادائے امانت اور ہر خاص و عام کی خیرخواہی کا خصوصی خیال رکھو۔ جو شخص تمہارے پاس استفتاء کے لیئے آئے اسے صرف اس کے سوال کا جواب دو اور دوسری کسی بات کا اضافہ نہ کرو ورنہ اس کے سوال کا غیر محتاط جواب تمہیں تشویش میں مبتلا کر دے گا۔

علم کی تدریس و اشاعت سے کسی حالت میں اعراض نہ کرو۔ اپنے طالب علم پر شفقت سے ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے تاکہ تم اُس میں رغبت فی العلم کا باعث بنو۔ اظہارِ حق کے موقع پر کسی شخص کی جاہ و حشمت کا خیال نہ کرو چاہے وہ سلطانِ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ عبادت میں سبقت اختیار کرو۔ مجلس فکر و نظر میں ڈرتے ہوئے کلام مت کرو اس لیئے کہ یہ خوف زدگی کلام میں خلل انداز ہو گی اور زبان کو ناکارہ بنا دے گی۔

Marfat.com

جب سلطانِ وقت تمہیں کوئی ایسا منصب تفویض کرے جو تمہارے لیئے مناسب نہیں ہے تو اُسے اس وقت تک قبول مت کرو جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اُس نے جو منصب تمہیں سونپا ہے وہ محض تمہارے علم کی وجہ سے سونپا ہے۔

زیادہ ہنسنے سے احتراز کرو کہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے اور امور زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بنو۔ گفتگو کے وقت زیادہ نہ چیخو اور نہ اپنی آواز کو بلند کرو۔ سکون اور قلت حرکت کو اپنی عادات میں شامل کرو۔ اپنے لیئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کرو جسمیں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں ان پر اس کا شکر ادا کرو اور اپنے لیئے ہر ماہ کے چند یوم روزہ کے لیئے مقرر کرو۔ اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھو اور دوسرے کے رویہ پر بھی نظر رکھو تا کہ تم اپنے علم کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں سے نفع اٹھاؤ۔

سلطانِ وقت سے اپنے قرب کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دو ورنہ لوگ تمہارے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں گے اور اگر تم نے لوگوں کی حاجتوں کو سلطان کے دربار میں پیش کرنا شروع کر دیا تو وہ تمہیں تمہارے مقام سے گرا دے گا اور اگر تم ان حاجتوں کی تکمیل کے لیئے کمربستہ نہ ہوئے تو حاجت مند تمہیں الزام دیں گے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو یاد رکھو کہ فاسق و فاجر شخص جس حالتِ بد میں گرفتار ہے اسے افشاء کرو

Marfat.com

تاکہ لوگ اس سے بچیں اگرچہ وہ شخص صاحب جاہ و منزلت ہی کیوں نہ ہو۔

اپنے ان اساتذہ کے لیئے کہ جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے استغفار کرو اور ہمیشہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔ جب مؤذن اذان دے تو عوام سے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کرو اور سلطانِ وقت کے قرب و جوار میں رہائش اختیار نہ کرو۔ لوگوں کے بھید ظاہر نہ کرو اور جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اُس کو اپنے علم کے مطابق صحیح مشورہ دو کہ یہ بات تمہیں اللہ سے قریب کرنے والی ہے۔

بخل سے اجتناب کرو اس کی وجہ سے انسان دوسروں کی نظروں میں مبغوض ہو جاتا ہے۔ اپنی تنگدستی ظاہر نہ ہونے دو اگرچہ فی الواقع تم تنگ دست ہو۔ باہمت بنو کیونکہ جس شخص کی ہمت کم ہو گی اس کا درجہ بھی کم ہو گا۔ راہ چلتے دائیں بائیں التفات نہ کرو ہمیشہ زمین کی جانب نظر رکھو۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید حضرت یوسف بن خالد سمتی جب حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تحصیل و تکمیل علم کر چکے تو اپنے وطن بصرہ واپس جانے کا ارادہ کیا اور اپنے شفیق استاذ محترم حضرت امام ابوحنیفہؒ سے رخصتی کی اجازت طلب کی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا "کچھ دن ٹھہر جاؤ تاکہ میں تمہیں چند ایسی باتیں بتا دوں جو تمہیں ہر جگہ کام دیں گی۔ خواہ لوگوں کے ساتھ معاملات ہوں یا اہل علم کے مراتب کا سوال ہو۔ تادیب نفس کا مرحلہ ہو یا عام حالات کی تحقیق مقصود ہو غرض کہ یہ دینی باتیں دینی اور دنیاوی زندگی کے ہر موڑ پر تمہارے کام آئیں گی اور علم و عمل کے لیئے ایک ذریعۂ خیر و صلاح بن جائیں گی۔"

حضرت یوسف بن خالد سمتی نے کہا "استاذ محترم! میرے لیئے اس سے بڑی

Marfat.com

سعادت اور اعزاز و افتخار کیا ہوگا کہ آپؒ مجھے اپنے مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ کا نچوڑ عطا فرمائیں۔ میں اسے لحہ لحہ اپنی حیات کا مرکز و محور بناؤں گا اور اسے قطب نما بنا کر اس سے رہنمائی حاصل کروں گا۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگرد رشید یوسف بن خالد سمتی کو کہا کہ:

"اس نکتہ کو خوب سمجھ لو کہ جب تم انسانی معاشرے کو بُرا سمجھو گے تو لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے چاہے وہ تمہارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں اور جب اس معاشرہ کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو یہ معاشرہ تمہیں عزیز رکھے گا اور اس کے افراد تمہارے لیئے ماں باپ بن جائیں گے۔ ہر ایک کو اس کا مقام عطا کرو۔ بزرگوں کی عزت کرو، علماء کی تعظیم کرو، بوڑھوں کی توقیر کرو، نوجوانوں سے نرمی کا برتاؤ کرو، عوام کے قریب رہو، کسی کو کمتر نہ سمجھو۔ اپنی مروت و شرافت کو پس پشت نہ ڈالو، اپنا راز کسی پر فاش نہ کرو، بغیر پرکھے کسی پر اعتماد نہ کرو، کمینہ خصلت لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھو، اس شخص سے محبت و الفت کا اظہار نہ کرو جو تمہیں ناپسند کرتا ہو۔

یاد رکھو کہ احمقوں سے مل کر خوشی کا اظہار نہ کرو، نہ ہی ان کی دعوت قبول کرو اور نہ ہی ان کا ہدیہ بلکہ ان سے دور رہو۔ نرم گفتاری، ضبط و تحمل، حسن اخلاق، کشادہ دلی، اچھے لباس اور خوشبو کو اپنے لیئے لازم رکھو۔ اپنے ساتھیوں سے غفلت نہ برتو بلکہ ان کی درستگی کی سب سے پہلے فکر کرو مگر اسمیں نرمی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو۔ نرم لہجہ میں گفتگو کو اپناؤ۔ نماز کی پابندی کرو۔ سخاوت سے کام لو کیونکہ بخیل آدمی کبھی سردار نہیں بن سکتا۔ اپنا ایک مشیر کار بنا لو جو تمہیں لوگوں کے

حالات سے مطلع کرتا رہے اور جب تمہیں کوئی خراب بات نظر آئے تو اس کی اصلاح کرنے میں جلدی کرو۔ جب تم اصلاح کی راہ پا جاؤ تو اپنی رغبت اور عنایت کو اور بڑھاؤ۔

جو شخص تمہارے ساتھ نیک سلوک کرے اُس کے ساتھ ویسا ہی کرو۔ اور اگر کوئی بد خلقی سے پیش آئے تو تم حسن اخلاق کا ثبوت دو۔ عفو اور کرم کو مضبوطی سے تھام لو۔ نیک کاموں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرو۔ جو شخص تمہارے درپئے آزار ہو اس سے ترکِ تعلق کر لو۔ حقوق کی ادائیگی میں کوشاں رہو۔ اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو اس کی مزاج پرسی کرو۔ اور اگر کوئی آنا جانا چھوڑ دے تو تم نہ چھوڑو۔ اگر کوئی شخص تم پر ظلم کرے تو اُس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ جو شخص تمہارے پاس آئے اس کی عزت کرو۔ اگر کسی نے تمہاری برائی کی تو اس سے درگزر کرو۔

جو شخص تمہارے خلاف غلط قسم کا پروپیگنڈہ کرے اس کے متعلق تم اچھی بات کہو۔ اگر کسی کو خوشی کا موقع میسر آئے تو اُسے مبارکباد دو۔ اگر کسی پر مصیبت آ پڑے تو اس کی غم خواری کرو۔ اگر کوئی تم سے کوئی کام لینا چاہے تو کر دو۔ اگر کوئی فریادی ہو تو اُس کی فریاد سن لو۔ اگر کوئی طالب نصرت ہو تو اس کی مدد کرو۔ جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں سے محبت و رافت کا اظہار کرو۔

اگر تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو پہلے وہ بات بتاؤ جو لوگوں میں رائج ہو۔ پھر کہو کہ دوسرا قول یہ بھی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے۔ اگر انہوں نے سن لیا تو یقیناً ان کے دلوں میں تمہاری

Marfat.com

قدرومنزلت بڑھ جائے گی۔ لوگوں کو آسان باتیں بتاؤ۔ دقیق اور گہرے مسائل بیان نہ کرو ایسا نہ ہو کہ وہ غلط مطلب سمجھیں۔ لطف وکرم اور چشم پوشی کو اپنی عادت بنا لو۔ آپس میں گھل مل کر اس طرح رہو گویا تم ایک ہی ہو۔ لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اپنے لیئے پسند کرتے ہو۔

نفس کی حفاظت کرو۔ احوال کی دیکھ بھال رکھو۔ فتنہ انگیزی سے دُور رہو۔ حسن نیت سے عوام کا خیرمقدم کرو۔ سچائی کو لازم رکھو۔ غرور وتکبر کو ایک طرف ڈال دو۔ دھوکہ بازی سے دُور رہو چاہے لوگ تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہوں۔ امانت میں خیانت نہ کرو خواہ لوگ تمہارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔ پس اگر تم نے میری اس وصیت پر عمل کیا تو یقیناً ہر آفت سے بچے رہو گے۔''

گویا حضرت امام ابوحنیفہؒ نے دینی و دنیاوی تمام میدانوں میں راہ عمل متعین فرما دی اور یہ سب کچھ معلم کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا عکسِ جمیل تھا جسے انہوں نے انتہائی خوبصورت و دلنشیں انداز میں تلامذہ تک پہنچانے کی سعی مشکور کی۔ وہ آداب معاشرت ہوں یا ترتیب زندگی، تعمیر اخلاق ہو یا تشکیل حیات، شہری آداب ہوں یا سلطانِ وقت کے ساتھ اہل علم کی محتاط روش، آرائش کردار ہو یا زیبائش گفتار، آداب مجلس ہوں یا حقوق معاشرت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ہدایت و رہنمائی فرمائی۔

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانیؒ اپنی کتاب ''تاریخ کی مراد'' میں لکھتے ہیں کہ:

''عام مشاہدہ یہی ہے کہ جو صاحب تصنیف ہو وہ کتابوں کے ہجوم میں گم رہتا ہے اور لوگوں سے ربط وضبط اس کے لیئے بارگراں ہوتا ہے۔ جو محقق ہو وہ پوری عمر کتابوں کی گرد جھاڑنے میں کھپا دیتا ہے۔ معاشرے کی روش سدھارنے کو وہ کارِ فضول

سمجھتا ہے جو صوفی ہو وہ فقط اپنے گریبان میں سارے جہان کا مشاہدہ کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ وہ مکاشفے میں اس قدر غرق ہوتا ہے کہ اسے حکمرانوں کے محاسبے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ جو محدث ہو وہ روایت اور اسماء الرجال کا ماہر تو ہوتا ہے مگر رجال کار پیدا کرنا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ جو مفسر ہو وہ رازی وصاحب کشاف تو بن جاتا ہے مگر عملی زندگی کے راز اس پر منکشف نہیں ہو پاتے۔ جو فقیہ ہو وہ مسائل کی باریکی پر خوب نگاہ جمائے رکھتا ہے مگر امت پر پڑنے والے مصائب بالعموم اُس کی نگاہ سے اوجھل رہتے ہیں۔ جو مؤرخ ہو وہ تاریخ کو تو خوب لکھتا ہے مگر تاریخ بناتا اُسے یاد نہیں رہتا مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ ان تمام اوصاف کے مالک ہوتے ہوئے فقہی جزئیات میں انہماک کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ وحکومت کا مکمل ادراک رکھتے تھے۔ مکتب و مدرسہ کی فضاء میں رہتے ہوئے بھی حاکم وخلیفہ کے انداز واطوار سے کبھی غافل نہیں رہے۔ آپؒ نے اپنے علم کو اصلاح فرد واجتماع اور لوگوں کے جذبۂ عمل کو مہمیز دینے کا کام لیا۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ اکیڈیمی قائم کی تو اس لیئے کہ یہاں سے لوگ شعور اور رموز قانون سے آراستہ ہو کر میدان حیات میں مردان جہاد بن کر کام کریں اور حکومتوں کے لیئے ایک مکمل اسلامی قانونی نظام فراہم کر دیا جائے تاکہ وہ یہ کہہ کر اپنی مرضی کو قانون کا درجہ نہ دے سکیں کہ کوئی مکمل اسلامی قانونی ڈھانچہ موجود نہیں ہم آخر نظام حکومت چلائیں تو کیسے چلائیں؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی سیاسی جدوجہد کو تین بنیادوں پر استوار کیا۔ ایک یہ کہ دین وسیاست کوئی جداگانہ شعبے نہیں کہ ایک دوسرے سے اجنبی ہو کر رہیں۔ بقول علامہ اقبال۔ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

دوسرے یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی سیاسی جدوجہد کو ذاتی طور پر حصول حکومت کا ذریعہ نہیں بنایا اور تیسرے یہ کہ کسی بھی حکومت کے اس حق کو تسلیم نہیں کیا کہ اہل علم وتقویٰ اپنی علمی وروحانی خدمات حکومت کے سپرد کر دیں بلکہ آپؒ نے عملاً اہل علم وتقویٰ کی حکومت قائم کرنے کی خفیہ اور اعلانیہ امداد کی اور ہر مرحلے پر عافیت کے

مقابلے میں عزیمت، مصلحت کے مقابلے میں استقامت اور مصالحت کے مقابلے میں مزاحمت کا انداز اپنایا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی تقریباً 500 سال تک مختلف حکومتوں کے ہاں باقاعدہ حکومتی وریاستی مجموعہ قانون کے طور پر نافذ رہی اور برصغیر پاک و ہند میں انگریز حکومت کے آنے تک فقہ حنفی بطور پبلک لاء معروف ومقبول رہی۔ گویا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مکتب و مدرسہ ہو، حرف ولفظ ہو، تعلیم وتعلم ہو، تحقیق وتصنیف ہو، یہ سب کچھ فی الاصل اسلامی نظام کے قیام کے ذرائع ہونے چاہئیں، نہ یہ کہ حکومت چاہے کسی کی ہو، اور نظام خواہ کیسا ہو، علماء وفقہاء کو صرف قال اقوال کے گنبد میں بند ہو کر رہنا چاہیئے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی کے تین مختلف ادوار تھے۔ پہلے دو ادوار انتظار کے ادوار تھے۔ ان ادوار میں انقلاب لایا جا سکتا تھا۔ جان پر کھیلا جا سکتا تھا مگر ذاتی منفعت یعنی عزیمت وشہادت کے سوا قومی وملی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کی بھاری قیمت وصول کرنا بظاہر ناممکن تھا۔ اس لیئے اندرون خانہ خاص منصوبہ بندی کے ساتھ وضع قوانین اوران کے نفاذ واجراء اور غلبہ واستحکام کے لیئے وسیع اور ہمہ گیر تحریک چلائی جو مثالی طور پر کامیاب رہی۔

اور جب انتظار ختم ہوا۔ مجلس وضعِ قوانین نے اپنا کام مکمل کرلیا اور اب انقلابی تحریک برپا کرنے سے محض انقلاب برائے انقلاب کی بجائے انقلاب برائے اسلام کی توقع پیدا ہوئی۔ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جان کا نذرانہ پیش کر کے قومی، ملی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ واستحکام کی بھاری قیمت حاصل کی۔ اسے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی کا تیسرا دور کہا جا سکتا ہے۔

پہلا دور بنی امیہ کی حکومت کے جبروتشدد اور ظلم واستبداد سے خون آلود تھا جب آپؒ کو ہجرت حرمین شریفین کرنا پڑی۔ دوسرا دور عباسیوں کی سفاکیوں سے عبارت تھا جبکہ تیسرے دور میں روئے زمین کے چپہ چپہ پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تربیت یافتہ رجالِ کار نے کام شروع کر دیا اور وسیع اسلامی انقلابی تحریک کا جال بچھا دیا گیا۔

اور یہ امر کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اس وسیع اسلامی انقلابی تحریک کی

قیادت و سیادت کا سرچشمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ذات تھی جنہیں خدائے بزرگ و برتر نے علمی کمالات، مجتہدانہ صفات، فہم قرآن، حفظ حدیث، معاشی، عمرانی، سیاسی اور معاشرتی معاملات کی لیاقت اور علم فقہ کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم ،مسند احمد اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ اسی مجلس میں سورۃ جمعہ نازل ہوئی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ و آخرین منہم لمایلحقوا .... حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں سکوت فرمایا۔ مگر پوچھنے والے نے دوبارہ، سہ بارہ یہی سوال کیا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر اپنا ہاتھ مبارک رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر ایمان ستاروں کی جھمگھٹ اور آسمانی کہکشاں میں بھی ہوگا تو فارس کے لوگ اسے ضرور پالیں گے۔''

''خیرات الحسان'' میں صفحہ 17 پر حافظ ابن حجر مکی نے حافظ جلال الدین سیوطیؒ کے بعض تلامذہ کی روایت نقل کی ہے کہ ''ہمارے استاذ مکرم علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے یقین کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے اس حدیث سے مراد حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی ہیں کیونکہ یہ بات روز روشن کیطرح آشکار ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں اہل فارس میں سے کوئی بھی آپؒ کے علمی مقام اور فقہی قدر و منزلت کو نہیں پہنچ سکا حتیٰ کہ آپؒ کے تلامذہ کا مقام بھی کوئی نہ پا سکا۔ ''تبیض الصحیفہ'' میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے، ''سیرت شامیہ'' میں علامہ حافظ محمد بن یوسف شامی نے اور ''السراج المنیر'' میں اکابر اہل علم اور ائمہ حدیث سے نقل کیا گیا ہے کہ ''بعض محققین نے اس روایت کو حضرت امام ابو حنیفہؒ پر محمول کیا ہے۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''ایک روز اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی۔ میں نے کہا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ

Marfat.com

اس حکم میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علم فقہ کی اشاعت آپؒ کے ہاتھوں سے کرائی اور اہل اسلام کی آپؒ کے ذریعہ اصلاح فرمائی۔'' (مکتوبات'' صفحہ 168)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث کے مضمون پر غور کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ائمہ اربعہ اور ائمہ حدیث میں سے کوئی شخص بھی سوائے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نہ تو ابنائے فارس سے ہے اور نہ ہی شاہ فارس نوشیروان کی اولاد سے ہے کیونکہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ بالاتفاق عربی ہیں۔ حضرت امام احمدؒ کا وطن مرو تھا جو ملک خراسان میں واقع ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کا وطن بخارا تھا جبکہ حضرت امام ترمذیؒ ترمذ کے رہنے والے تھے۔ حضرت امام مسلمؒ نیشاپور واقع خراسان اور حضرت امام داؤدؒ دسیتان کے باشندے تھے جو سندھ و ہرات کے درمیان متصل قندھار میں واقع ہے۔ حضرت امام نسائیؒ خراسان کے علاقے نساء کے رہنے والے تھے جبکہ حضرت امام ابن ماجہؒ شہر قزوین واقع عراق کے باشندے تھے۔

سد اس بحث سے قطع نظر کہ ائمہ اربعہ اور ائمہ حدیث میں سے کون کس شہر اور علاقے کا رہائشی تھا اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ فقہ و تقویٰ، مناظرہ و فتویٰ، سخاوت استغناء، علم حدیث و معرفت کلام اللہ کے بحر بیکراں تھے۔ آپؒ کے حسن فکر و عمل کی حسین ترین سچائی یہ تھی کہ آپؒ حتی الامکان کسی مومن کی تکفیر سے احتراز اور فتویٰ کفر میں حد درجہ حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ظاہر پہ باطن کو ترجیح دیتے تھے اور فتویٰ پر تقویٰ حاوی رہتا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اگر ایک مسلمان کے قول میں کفر کی ننانوے وجوہات ثابت ہو جائیں اور صرف ایک وجۂ ایمان موجود ہو تو اسے ترجیح دی جائے گی کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت کا بھید صرف رب علیم و خبیر جانتا ہے۔ اس لیئے کسی کلمہ گو مسلمان کو محض ظاہری طور پر دیکھ کر اُس پر کفر کا فتویٰ لگانا جائز اور درست نہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اُس نے کسی کی شکایت کرتے ہوئے کہا: ''حضرتؒ! میرے علاقے میں ایک شخص ہے جو ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتا ہے۔ خود کو مسلمان کہلواتا ہے مگر اس کے باوجود وہ جنت کی

خواہش نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے جہنم کی آگ کا خوف ہے۔ غیر مذبوح چیز بلا جھجک کھاتا ہے۔ نماز پڑھتا مگر رکوع اور سجدہ نہیں کرتا۔ دیکھے بغیر گواہی دیتا ہے۔ فتنے کو محبوب اور حق کو مبغوض سمجھتا ہے۔ رحمت سے دور بھاگتا ہے حتیٰ کہ یہود اور نصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ بظاہر یہ سب وجوہات کفر ہیں جو اس شخص میں پائی جاتی ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں آپؒ کی کیا رائے ہے؟''

چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ذہانت و فطانت اور استدلال و استخراج کے درجہ کمال پر فائز تھے اس لیئے آپؒ نے اُس شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے کی بجائے شکایت کرنے والے آدمی کو جواب دیا ''میاں! میرے نزدیک وہ شخص مومن ہے'' شکایت کنندہ نے پوچھا ''وہ کیسے؟'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے دلائل و براہین کے ساتھ جواب دیا:

''میاں! تم نے اُس شخص کی شکایت کی ہے کہ وہ جنت کی خواہش نہیں رکھتا۔ چونکہ اُس پر اللہ کی خواہش غالب ہے اس لیئے اسے جنت کی خواہش کی کیا پروا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس کا مطلوب و مقصود ہے۔ تمہاری دوسری شکایت کا جواب یہ ہے کہ اسے رب النار کا خوف ہے اس لیئے وہ نار جہنم سے خوف نہیں کھاتا۔ تمہاری تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ وہ غیر مذبوح چیز مچھلی کی صورت میں کھاتا ہے کیونکہ مچھلی غیر مذبوح ہی کھائی جاتی ہے۔ تمہاری چوتھی شکایت یہ کہ وہ نماز پڑھتا ہے مگر رکوع و سجدہ نہیں کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز جنازہ پڑھتا ہے تو اسمیں سجدہ اور رکوع نہیں کرتا اس لیے کہ اسمیں سجدہ اور رکوع ہوتا ہی نہیں۔ تمہاری پانچویں بات کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص توحید رسالت کی گواہی دیتا ہے حالانکہ اُس نے نہ خدا کو دیکھا ہے اور نہ اُس کے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ تمہاری چھٹی بات کا جواب یہ ہے کہ قرآن معظم میں ارشاد رب

Marfat.com

العزت ہے کہ انما اموالکم و اولادکم فتنہ یعنی اموال اور اولاد فتنہ ہیں مگر اسے محبوب رکھنا انسانی فطرت ہے۔ اسی طرح موت امرحق ہے مگر ذوق عبادت اور جمع حسنات کی وجہ سے اس سے بغض رکھنا محمود ہے۔ تمہارے ساتویں الزام کا جواب یہ ہے کہ بارش رب رحمٰن کی رحمت ہے وہ شخص اس سے دور بھاگتا ہے کہ کہیں بھیگ نہ جائے۔ تمہارے آخری الزام کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص یہود کے اس قول کہ لیست النصاریٰ علیٰ شیئ اور نصاریٰ کے اس قول کہ لیست الیہود علیٰ شیئ کی تصدیق کرتا ہے جو عین ایمان ہے۔ اس لیئے تمہارے تمام الزامات دلائل کی رو سے اس طرح رد ہوتے ہیں کہ وہ شخص سچا مومن ہے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جب ان الزامات کے جوابات خوبصورت استدلال کے ساتھ دیئے تو نہ صرف شکایت کنندہ حیران ہوا بلکہ حاضرین میں سے ہر شخص نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت و فطانت کی تعریف کی اور قرار دیا کہ محض ظاہر کو دیکھ کر کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا سراسر ناجائز اور نامناسب ہے۔ (عقود الجمان صفحہ 251)

جوابات کی برجستگی اور دلائل کی درستگی ہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے گلدستۂ سیرت کی وہ انمول خوشبو تھی کہ جس سے فضا عطر بیز اور محفل مطہر و منور ہو جاتی تھی حتیٰ کہ آپؒ کے مخالفین اور در پردہ حاسدین کو بھی اعتراف حقیقت کرنا پڑتا تھا۔

خلیفہ منصور کے درباریوں میں ایک صاحب جس کا نام ابوالعباس طوسی تھا حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مقبولیت و ذہانت سے رقابت اور حسد رکھتا تھا اور ہر وقت اس ٹوہ میں رہتا تھا کہ کوئی موقع ہاتھ لگے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی قدر و منزلت کو گھٹایا جائے۔ کافی سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی اور اس نے اسے آزمانے کی بھرپور کوشش کی۔ ایک روز جب خلیفہ منصور کا دربار لگا تھا تو اُس نے موقع غنیمت جان کر برسر دربار حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک مسئلہ دریافت کرتے ہوئے کہا:

Marfat.com

''اے ابو حنیفہؒ! یہ بتایئے کہ اگر خلیفہ منصور ہم میں سے کسی کو حکم دیں کہ فلاں آدمی کی گردن اُڑا دو اور آپ کو یہ بھی نہ بتایا جائے کہ اس شخص کا قصور اور جرم کیا ہے جس کی پاداش میں اُس کا سر قلم کیا جا رہا ہے تو کیا آپ اُس شخص کی گردن مار دیں گے؟'' سوال بظاہر بڑا تیکھا اور لاجواب کر دینے والا تھا اور ابوالعباس طوسی کا خیال تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اس کا منفی جواب دیں گے اور بلاوجہ کسی کی گردن اُڑانے سے انکاری ہوں گے۔ یوں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عزت و منزلت خلیفہ منصور کی نظروں میں گر جائے گی اور اگر جواب مثبت دیں گے تو فقہ کے حوالے سے ان کا مقام خدانخواستہ کم ہو جائے گا مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر ابوالعباس طوسی سے برجستہ فرمایا: ''ابوالعباس! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا خلیفہ منصور صحیح حکم دیتے ہیں یا غلط؟'' ابوالعباس طوسی سوائے اس جواب کے اور کوئی جواب کیسے دے سکتا تھا کہ ''خلیفہ منصور غلط حکم کیوں دینے لگے۔ ان کا تو ہر حکم صحیح ہوتا ہے۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: ''جب خلیفہ منصور کوئی غلط حکم دیتے ہی نہیں اور ان کا ہر حکم صحیح ہوتا ہے تو پھر صحیح حکم کے نافذ کرنے میں تردد کی کیا گنجائش ہے اور اس بارے میں سوال کرنے کا کیا جواز بنتا ہے؟'' ابوالعباس طوسی نے جب حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ جواب سنا تو خود شرمندہ اور کھسیانا سا ہو کر رہ گیا اور یوں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنی ذہانت و فطانت کے بل بوتے پر ابوالعباس طوسی کا کیا ہوا وار خطا کر دیا۔

حاسد اور مخالفین کے وار خطا کرنے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علم فقہ کا بڑا عمل دخل تھا۔ استدلال و استخراج علم فقہ کی خاص خصوصیت ہے اور یہ وہ خصوصیت تھی جس کے باعث آپؒ نے علم و عمل کی نئی نئی راہیں تلاش کیں اور حدیث و قرآن فہمی میں نئی جہتوں مگر مدلل جہتوں سے عالم اسلام کو روشناس کیا۔ گویا آپؒ نے دین اسلام کے وہ گوشے بھی منور و مزین کئے جنہیں ابھی تک اتنی فصاحت و بلاغت کے ساتھ سوچا سمجھا نہیں گیا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں عرض کی: ''حضرتؒ! یہ بتایئے کہ فقہ کے حصول میں کیا چیز معین اور مددگار ثابت ہو سکتی ہے؟'' حضرت امام ابو

Marfat.com

حنیفہؒ نے جواب دیا ''دلجمعی اور فراغ خاطر'' اُس نے پوچھا ''حضرت! دلجمعی اور فراغ خاطر کیونکر حاصل کیا جا سکتا ہے؟'' آپؒ نے فرمایا ''تعلقات کم کیے جائیں تو دلجمعی اور فراغ خاطر حاصل ہوگا۔'' اُس شخص نے پھر پوچھا ''تعلقات کیونکر کم ہو سکتے ہیں؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بتایا ''انسان کو چاہیئے کہ وہ ضروری چیزیں لے لے اور غیر ضروری چھوڑ دے۔ اس طرح وہ تعلقات کو کم کر سکتا ہے۔''

ایک بار کسی شخص نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا ''یا حضرتؒ! علم فقہ سے آپؒ کیونکر مستفید ہوئے؟'' آپؒ نے اُسے بتایا کہ ''میں نے علم کی اشاعت و تدریس میں کبھی بخل نہیں کیا اور علم کے حصول میں کبھی سستی، غفلت، پہلو تہی یا اعراض و انکار سے کام نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں علم فقہ میں اگلی سے اگلی منازل طے کرتا گیا۔
(''درمختار'')

علم فقہ کی منازل اور مدارج حضرت امام ابو حنیفہؒ نے محض زبانی کلامی یا حصول علم یا درس و تدریس کے لیئے ہی طے نہیں کیے تھے بلکہ آپؒ مکمل طور پر عالم باعمل تھے۔ آپؒ کا ہر عمل حدیث کی تفسیر اور قرآن کی تعبیر ہوتا تھا۔ حضرت داؤد طائیؒ کہتے ہیں کہ ''میں مسلسل بیس سال تک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں رہا اور اس مدت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خلوت و جلوت ملاحظہ کی۔ میں نے کبھی بھی اس تمام عرصہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو ننگے سر اور پاؤں دراز کیے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے عرض کی کہ اے امام معظمؒ! اگر آپؒ خلوت میں پاؤں دراز کر لیا کریں تو اسمیں کیا مضائقہ ہے؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ خلوت میں ادب کو ملحوظ رکھنا بہ نسبت جلوت کے بہتر اور افضل ہے۔'' (حدائق الحنفیہ صفحہ 72)

اسی طرح مسعر بن کدام سے روایت ہے کہ ''ایک روز ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ چل رہے تھے۔ راستے میں بھیڑ کی وجہ سے اچانک حضرت امام ابو حنیفہؒ کا پاؤں راہ چلتے ایک لڑکے کے پاؤں پر آ گیا جسے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نہیں دیکھا تھا۔ پاؤں پر پاؤں آنے سے لڑکا چیخ اُٹھا اور کہنے لگا کہ اے محترم! کیا تم قیامت کے روز اللہ کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟

Marfat.com

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جیسے ہی لڑکے کے منہ سے یہ کلمات سنے تو غش کھا کر گر گئے۔ اس موقع پر میں نے آگے بڑھ کر حضرت امام ابوحنیفہ کو سنبھالا دیا تو کچھ دیر بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ ہوش میں آئے۔ اب میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے عرض کی کہ یا حضرت! ایک لڑکے کی بات پر اس قدر دل گرفتگی اور بے قراری کی شدت کیوں بڑھ گئی؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ کیا خبر کہ اس لڑکے کی آواز غیبی ہدایت ہو!''

(عقود الجمان صفحہ 229)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تقویٰ اور خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ لوٹ کی بکری اہل کوفہ کی بکریوں میں شامل ہوگئی جس کا امتیاز نہ کیا جا سکا اور وہ ریوڑ سے علیحدہ کر کے اپنے مالک کے حوالے نہ کی جا سکی۔ اب اندیشہ یہ تھا کہ شاید کوئی قصاب اس بکری کو بھی خرید کر بازار میں اس کا گوشت فروخت کرے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ کو اس بکری کے گوشت کو کھانے سے بچنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ آپؒ نے فوراً چند ایسے لوگوں کو بلوایا جو بکریوں کے بارے میں جملہ معلومات رکھتے تھے۔ آپؒ نے اُن سے پوچھا ''یہ بتاؤ کہ ایک بکری کتنی مدت تک زندہ رہ سکتی ہے؟'' انہوں نے بتایا کہ ''سات سال تک'' چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حفظ ما تقدم کے طور پر سات سال تک اہل کوفہ سے بازار کا گوشت خرید کر کھانا بند کر دیا۔ (حدائق الحنفیہ)

تقویٰ اور خوف خدا محض پرہیزگاری ہی کا نام نہیں بلکہ خدمت مخلوقِ خدا بھی اس کا باب عظیم ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ مخلوقِ خدا کی خدمت کر کے حد درجہ اطمینان، خوشی اور سکون قلب محسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن عینیہؒ لوگوں کے مقروض ہونے کی وجہ سے گرفتار کر لئے گئے اور انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ کو علم ہوا تو آپؒ از حد پریشان اور مغموم ہوئے۔ آپؒ فوراً اُن کے گھر پہنچے اور رشتہ داروں سے معلوم کیا ''ابراہیم بن عینیہ کے ذمہ کتنا قرض ہے کہ جس کی وجہ سے انہیں یہ دن دیکھنا پڑے؟'' احباب نے بتایا ''چار ہزار درہم سے کچھ زیادہ قرض کی رقم ان کے ذمہ واجب الادا ہے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت ابراہیم بن عینیہؒ کے عزیز و اقارب سے پھر

Marfat.com

پوچھا ''کیا اُن کا قرض چکانے کے لیئے کسی سے رقم تو نہیں لی گئی؟'' رشتہ داروں نے جواب دیا ''جی ہاں! ہم نے حضرت ابراہیم بن عینیہؒ کا قرض چکانے کے لیئے کسی سے رقم لی ہے مگر وہ مطلوبہ قرض سے کم ہے۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: ''وہ رقم واپس کر دو۔ ابراہیمؒ کا سارا قرض تنہا میں ہی ادا کروں گا'' چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت ابراہیم بن عینیہؒ کی تمام رقم ادا کر دی اور انہیں قرض سے چھٹکارا دلا کر جیل سے رہا کرایا۔ (المناقب الموفق صفحہ 240)

ایک دفعہ ایک شخص حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ''حضرتؒ! اگر آپؒ ناراض نہ ہوں تو آپؒ کو ایک بات گوش گزار کروں'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ''میاں! ڈرتے کس وجہ سے ہو؟ جو بھی بات ہے بے دھڑک کہو۔'' اُس شخص نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بتایا ''یا حضرتؒ! مجھے رقم کی اشد ضرورت تھی مگر میرے پاس پیسے نہیں تھے میں نے فلاں تاجر کے نام کہ جو آپؒ کی بے حد عزت کرتا ہے ایک رقعہ آپ کی طرف سے لکھا کہ وہ مجھے 30 اشرفیاں بطور قرض کے بھیج دے چنانچہ اُس تاجر نے وہ رقعہ آپؒ کی طرف سے سمجھ کر مجھے 30 اشرفیاں بھیج دی ہیں۔ وہ اشرفیاں میں نے وصول کر کے اپنی حاجت پوری کر لی ہے۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپؒ یہ سن کر مجھ سے خفا ہی نہ ہو جائیں۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ''میاں! میرے علم میں یہ نہیں تھا کہ کسی سے فائدہ اُٹھانے کا یہ بھی طریقہ ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کو میرا نام استعمال کرنے سے فائدہ ہوا ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی کو میری وجہ سے فائدہ ہوا ہے نقصان نہیں۔ تمہیں مبارک ہو کہ تمہاری ضرورت پوری ہوئی۔

(عقود الجمان، المناقب الموفق)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں کسی صاحب کا مور گم ہو گیا۔ وہ بڑا قیمتی اور خوبصورت مور تھا اور اُس کا مالک اُس سے بہت محبت کرتا تھا۔ اُس نے بہت تلاش کیا مگر بے سود۔ آخر تھک ہار کر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا اور اپنی پریشانی کا تمام تر قصہ بیان کیا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بڑے انہماک اور توجہ کے ساتھ اس کی بپتا سنی

اور اُس سے کہا:

''میاں! فکر نہ کرو۔ اب خاموش ہو جاؤ اور تمام معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔ رب رحمٰن ورحیم ضرور تمہاری مدد کرے گا۔''

اگلی صبح جب حضرت امام ابو حنیفہؒ فجر کی نماز کے لیئے مسجد تشریف لے گئے تو حاضرین سے اور مسائل بیان کرنے کے بعد کہا:

''تمہارے درمیان بیٹھے ہوئے اس شخص کو حیا اور شرم کرنی چاہیئے جو اپنے پڑوسی کا مور چرا کر نماز پڑھنے آیا ہے حالانکہ جو مور اس نے چرایا ہے اُس کے پروں کے ٹکڑے اُس کے سر پر اب بھی موجود ہیں۔'' چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے دیکھا کہ جس شخص نے مور چرایا تھا وہ جلدی سے اپنے سر پر ہاتھ مارنے لگا حالانکہ اُس کے سر پر مور کے پر کا کوئی ٹکڑا نہیں تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سمجھ گئے کہ یہ شخص چور ہے۔ لہٰذا آپؒ اس وقت تو خاموش رہے البتہ جب سب لوگ چلے گئے تو اُسے علیحدہ بلا کر کہا ''میاں! تم سے غلطی ہو گئی ہے۔ اُس کی معافی اللہ سے طلب کرو اور مور جس کا ہے اُسے واپس کر دو۔'' چنانچہ اُس شخص نے وہ مور اصل مالک تک پہنچا دیا اور یوں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی حسن تدبیر سے معاملہ سلجھ گیا۔ (عقود الجمان)

اسی طرح ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک شخص نے اپنے ایک قریبی دوست کو ایک ہزار درہم سے بھری ایک خوبصورت تھیلی بطور امانت دی اور وصیت کی کہ ''میرا بیٹا ابھی صغیر سن ہے۔ جب وہ بڑا ہو جائے تو اُس میں سے جو آپ کو پسند ہو وہ میرے بیٹے کے حوالہ کر دینا۔''

چنانچہ وہ لڑکا جب سن بلوغت کو پہنچا تو اُس کے مرحوم والد کے قریبی دوست نے اُسے ایک خوبصورت سی خالی تھیلی اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''یہ تمہارے مرحوم والد نے مجھے تمہارے لیئے دی تھی اور وصیت کی تھی کہ جب تم بالغ ہو جاؤ تو میں تمہیں یہ تھیلی دے دوں لہٰذا تم یہ تھیلی سنبھالو۔'' لڑکے نے جب خالی تھیلی دیکھی تو بڑا حیران ہوا اور پریشان بھی کہ آخر میرے والد نے یہ خالی تھیلی کس لیئے میرے بالغ ہونے تک پہنچانے کی وصیت کی تھی۔ اس نے اصل صورت حال معلوم کرنے کی کوشش

Marfat.com

کی تو بالآخر اُسے صحیح صورت حال کا علم ہو ہی گیا۔ اب اُس نے بڑا واویلا کیا اور شور مچایا۔ اُس نے اپنے والد کے دوست سے کہا کہ ''تھیلی کے اندر جو رقم تھی وہ بھی میرے حوالے کرو۔''

اُس کے والد کے دوست نے کہا ''یہ تمہارے والد مرحوم نے مجھے اجازت دی تھی کہ جو چیز تمہیں پسند ہو وہ میرے بیٹے کے حوالے کرنا۔ چنانچہ میں نے اس خوبصورت تھیلی کو پسند کیا اور وہ تیرے حوالے کر دی۔ اس طرح شرعاً میں نے تمہارے مرحوم والد اور اپنے پیارے دوست کی وصیت پر صحیح عمل کیا۔ چنانچہ اب میں ہمہ قسم کی ذمہ داری پوری کر چکا ہوں اور عنداللہ بری ہوں۔''

لڑکے نے اپنے والد کے دوست کو قائل کرنے کی کافی کوشش کی اور مطالبہ کیا کہ تھیلی کی رقم اُس کے حوالے کی جائے مگر اُس کے والد کا دوست مُصر رہا کہ اُس نے وصیت پر حرف بہ حرف عمل کر دیا ہے اور کسی صورت بھی رقم اُس کے حوالے نہیں کرے گا۔ جب لڑکا کسی طور بھی کامیاب نہ ہو سکا تو اُس نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضری دی اور تمام واقعہ آپؒ کے گوش گزار کیا۔ لڑکے نے اپنا دل گداز ماجرا سنانے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مدد چاہی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے لڑکے کی روداد سننے کے بعد اُس کے والد کے دوست کو بلایا اور اُس سے کہا ''تم اس لڑکے کے والد کی وصیت پوری کرو'' اُس نے کہا ''میں نے تو اپنے مرحوم دوست کی وصیت پوری کر دی ہے۔'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا ''وہ کیسے؟'' اُس نے کہا ''اس لڑکے کے والد نے وصیت کی تھی کہ جو چیز مجھے پسند ہو وہ میں اس لڑکے کے حوالے کر دوں۔ چنانچہ یہ خوبصورت تھیلی مجھے پسند تھی وہ میں نے اس کے حوالے کر دی ہے اور ایک ہزار درہم کی رقم جو اس تھیلی کے اندر تھی وہ میں نے اپنے پاس رکھ لی ہے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اُس شخص سے کہا ''تم غلط کہتے ہو۔ جو چیز تمہیں پسند تھی وہ تم نے اپنے پاس رکھی اس لیئے کہ انسان اپنے پاس ہمیشہ وہی چیز رکھتا ہے جو اُسے پسند ہوتی ہے۔ تمہیں دراصل ایک ہزار درہم پسند تھے اس لیئے تم نے وہ اپنے

پاس رکھ لیئے۔ اب تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ فوری طور پر اس یتیم لڑکے کو ایک ہزار درہم دے دو۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس استدلال سے وہ شخص لاجواب ہو گیا اور اُس نے فوری طور پر ایک ہزار درہم اپنے مرحوم دوست کے بالغ بیٹے کو دے دیئے۔

(عقود الجمان)

اسی طرح ایک شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ''یاحضرتؒ! میری ایک مشکل کا حل بتایئے'' آپؒ نے پوچھا ''بتاؤ تمہاری کیا مشکل ہے؟'' اُس نے بتایا ''میرے ایک پڑوسی نے اپنے گھر میں میری دیوار کے ساتھ ایک کنواں کھود لیا ہے۔ اب مجھے خطرہ ہے کہ کنوئیں کے پانی سے کہیں میری دیوار نہ گر جائے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فوراً کہا ''میاں! اس کا تو بڑا آسان حل ہے۔ تم اپنے گھر میں اسی کنوئیں کے برابر اور قریب ایک نالی کھود لو اور کنوئیں کا پانی اُس نالی کے ذریعے گھر سے باہر نکالنا شروع کر دو۔'' اُس شخص نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہدایت کے مطابق اسی طرح کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کنواں خشک ہو گیا۔ چنانچہ اُس کے پڑوسی کو کنواں بند کرنا پڑا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے شکایت کرنے والے سے یہ نہیں کہا کہ پڑوسی کو کنواں بند کرنے پر مجبور کرے یا اُس کے لیئے محکمہ قضا کی امداد حاصل کرے بلکہ آپؒ نے اس کو ایسی تدبیر بتائی کہ جس سے مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ تدبیر بھی گویا اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کی ایک قسم تھی جو کہ ایک ضرر ہے جس سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے دوسرے ضرر کا ازالہ اور مداوا کر دیا چنانچہ اس طرح دونوں فریق ضرر سے محفوظ رہے۔ یوں ضرر کا علاج ضرر سے کیا گیا اور امن حاصل ہوا۔

(حیاۃ ابوحنیفہؒ از ابوزہرہ مصری)

اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا:

Marfat.com

''حضرتؒ! یہ فرمایئے کہ میرے مکان کی ایک دیوار سے متصل میرے ہمسائے کا مکان ہے۔ وہ دیوار میری ملکیت ہے۔ میں اس میں روشن دان کھولنا چاہتا ہوں مگر میرا ہمسایہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کا اصرار ہے کہ میں روشن دان نہ رکھوں۔ کیا میں روشن دان کھول سکتا ہوں؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: ''جب دیوار خالصتاً تمہاری ہے تو تم اس میں روشن دان کھول سکتے ہو مگر شرط یہ ہے کہ روشن دان کھولنے کا مقصد محض تازہ ہوا کی آمد اور اذان سننا ہی ہونا چاہیئے۔ خبردار! اس روشن دان سے ہمسائے کے گھر میں جھانکنا شرعاً منع ہے۔''

جب اُس شخص کے پڑوسی کو اس بات کا علم ہوا تو وہ دوڑا ہوا قاضی ابن لیلیٰ کے پاس گیا اور تمام صورت حال سے آگاہ کر کے فیصلہ چاہا۔ قاضی ابن لیلیٰ نے فیصلہ دیا کہ ''تمہارا پڑوسی تمہاری جانب اپنی دیوار میں روشندان نہیں کھول سکتا۔ اس لیئے اسے روشن دان کھولنے سے منع کیا جاتا ہے۔''

دیوار کا مالک دوسری دفعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ ''قاضی ابن لیلیٰ نے روشن دان کھولنے سے منع کر دیا ہے اور حکم امتناعی جاری کر دیا ہے۔ اب آپ بتایئے کہ اس صورت حال میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: ''میاں! اب تم یوں کرو کہ اپنی دیوار میں ایک دروازہ کھول لو۔''

چنانچہ جب دیوار کا مالک اپنی دیوار میں دروازہ کھولنے لگا تو اس کا ہمسایہ دوڑا ہوا قاضی ابن لیلیٰ کے پاس گیا اور عرض کی ''جناب عالی! آپ نے جس دیوار میں روشندان کھولنے کے خلاف حکم امتناعی جاری کیا تھا اب اُسی دیوار میں میرا ہمسایہ روشن دان کھولنے کی بجائے دروازہ کھول رہا ہے۔ آپ فیصلہ صادر فرمایئے تاکہ وہ شخص اپنی دیوار میں دروازہ کھولنے سے رُک جائے۔''

قاضی ابن لیلیٰ نے اُس شخص کی تمام روداد سننے کے بعد حکم جاری کیا کہ ''دیوار میں دروازہ نہ کھولا جائے۔ اس کے لیئے حکم امتناعی جاری کیا جاتا ہے۔'' اب دیوار کا مالک ایک بار پھر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قاضی ابن لیلیٰ کے جاری کردہ حکم امتناعی کی تفصیل بتائی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس شخص سے پوچھا

Marfat.com

''بھائی! یہ بتاؤ کہ تمہاری اس دیوار کی کل قیمت کتنی ہے؟'' اُس نے بتایا ''عالی مرتبت! میری اس دیوار کی کل قیمت محض تین دینار ہے۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ''بھائی! تمہاری دیوار کی کل قیمت تین دینار میرے ذمہ واجب ہوئے۔ جاؤ اور جا کر تمام دیوار کو بنیادوں تک مکمل طور پر گرادو۔''

دیوار کے مالک نے جب حضرت امام ابو حنیفہؒ کی حسب ہدایت دیوار گرانے کی کوشش کی تو اُسے اس کے ہمسائے نے منع کیا اور وہ پھر دوڑا ہوا قاضی ابن لیلیٰ کے پاس گیا اور کہنے لگا ''جناب! وہ شخص روشندان کھولنے اور دروازہ بنانے سے رُک گیا ہے مگر اب وہ تمام دیوار کو ہی سرے سے گرانے لگا ہے۔ اب بتایئے کہ اس بارے آپ کا کیا حکم ہے۔ از راہ لطف و کرم اُسے دیوار گرانے سے روکیئے اور حکم امتناعی جاری فرمایئے ورنہ میرا مکان تو بالکل بے پردہ ہو جائے گا۔''

قاضی ابن لیلیٰ نے اب کی بار مختلف فیصلہ دیا۔ آپ نے فرمایا ''میاں! یاد رکھو کہ دیوار اُس شخص کی ذاتی ملکیت ہے۔ وہ اس کی اپنی چیز ہے۔ وہ اسمیں جیسا تصرف چاہے کر سکتا ہے۔ میں اُسے دیوار گرانے سے کیسے روک سکتا ہوں۔'' اس طرح امام ابو حنیفہؒ کی رہنمائی اور حکمت عملی سے دونوں ہمسائے اپنی ضد سے ہٹ گئے اور قاضی ابن لیلیٰ کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ جو کہتے تھے صحیح کہتے تھے۔

(عقود الجمان صفحہ 257)

ایک مرتبہ ایک عورت حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوئی۔ اُس نے عرض کی ''اے امامِ وقت! میرے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے۔ آپؒ ہی میری داد رسی کیجیے اور مجھے میرا حق دلوایئے۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ''تم واضح واضح بتاؤ کہ آخر تمہارے ساتھ کیا زیادتی ہوئی ہے؟'' اُس عورت نے کہا ''جناب! صورت حال یہ ہے کہ میرا بھائی فوت ہو گیا ہے۔ وہ اپنے پیچھے 600 دینار کا ترکہ چھوڑ گیا مگر جب وراثت کی تقسیم ہوئی ہے تو تقسیم کاروں نے ان 600 دینار میں سے مجھے صرف ایک ہی دینار دیا ہے۔ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے اور کونسا قانون ہے جو میری سمجھ سے بالا تر ہے۔ کیا میں صرف ایک ہی دینار کی حقدار ہوں حالانکہ میں مرنے والے کی حقیقی بہن ہوں۔''

Marfat.com

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس عورت سے پوچھا ''یہ بتاؤ کہ یہ تقسیم کس کی رائے اور مشورہ سے ہوئی ہے؟'' عورت نے بتایا ''جناب! یہی تو رونا ہے کہ یہ تقسیم حضرت داؤد طائی کے مشورہ سے ہوئی ہے اور انہوں نے ہی مجھے ایک دینار کا حقدار ٹھہرایا ہے جو میرے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔ آپؒ میرے ساتھ ہونے والی حق تلفی کا ازالہ فرمائیے کیونکہ آپؒ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جو حقدار کو اس کا صحیح حق دلا سکتی ہے۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جب حضرت داؤد طائی کا نام سنا تو آپؒ نے اُس عورت سے کہا ''دیکھو! تجھے ایک ہی دینار کا حق دار ہونا چاہیئے اور وہ تجھے مل چکا ہے۔ تیرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ تجھے تمہارا مکمل حق ملا ہے اور کوئی حق تلفی نہیں ہوئی۔'' اُس نے پوچھا ''یا حضرت! ذرا مجھے بھی تو علم ہو کہ آخر میرے ساتھ زیادتی کیسے نہیں ہوئی۔ اور میرا حصہ محض ایک دینار ہی کیسے بنتا تھا؟''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس عورت سے پوچھا ''کیا تیرے بھائی نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں نہیں چھوڑیں؟'' وہ عورت بولی ''جناب! آپؒ نے بالکل صحیح کہا۔ واقعی میرے بھائی نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں ہی چھوڑی ہیں۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ''کیا یہ سچ ہے کہ تیرے مرحوم بھائی کی والدہ زندہ ہے؟'' عورت نے بتایا ''بالکل درست'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ''مرحوم کی بیوی بھی حیات ہے'' عورت نے کہا ''واقعی اُس کی بیوی بھی زندہ ہے۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ''اے بی بی! ان کے علاوہ مرحوم کے 12 بھائی اور ایک بہن بھی حیات ہیں'' عورت نے اقرار کیا ''جناب عالی! جو کچھ آپؒ نے فرمایا حرف بہ حرف درست فرمایا۔''

اب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس عورت کو سمجھاتے ہوئے کہا ''سن اور غور سے سن کہ مرحوم کی دونوں بیٹیوں کو ترکہ میں دو تہائی کا حق حاصل ہے اس لیئے 600 دینار کے ترکہ میں سے 400 دینار تو مرحوم کی بیٹیوں کو ملیں گے۔ مرحوم کی والدہ کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا اس لیئے 100 دینار اُس کی والدہ کو ملے۔ اسی طرح مرحوم کی بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور یوں 75 دینار اُس کو دیئے گئے۔ اب کل ترکہ میں سے محض 25 دینار رہ جائیں گے جو کہ 12 بھائیوں اور ایک بہن میں تقسیم ہوں گے۔ یوں دو دینار فی

Marfat.com

بھائی کے حساب سے 24 دینار ان میں تقسیم ہو گئے باقی رہا ایک دینار تو وہ تمہارا حق بنتا ہے جو تمہیں مل چکا ہے۔ لہٰذا حضرت داؤد طائی نے تمہارا حق صحیح طور پر تمہیں دلوایا ہے۔" (عقود الجمان صفحہ 261)

اس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت و فراست سے اُس عورت کا گلہ دُور ہو گیا اور کمال یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کس فطانت کے ساتھ تمام مسئلے کی گہرائی تک رسائی حاصل کی جو قابل داد بھی ہے اور بے مثل بھی۔

ایک دفعہ ایک شخص حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں تھا اور از حد گھبرایا ہوا تھا۔ آپؒ نے اُس سے پوچھا "میاں! خوفزدہ کیوں ہو؟" میرے سامنے حقیقت حال بیان کرو تاکہ میں اس کا کوئی حل بتا سکوں۔" اُس نے کہا "یا حضرت! میں تو حاضر ہی اسی لیئے ہوا ہوں تاکہ آپ کو اپنی بپتا سنا سکوں اور اس کا کوئی صحیح حل حاصل کر سکوں" آپؒ نے کہا "تو پھر ہچکچا کیوں رہے ہو؟ بے دھڑک بات کرو۔ ان شاء اللہ ضرور کوئی حل نکل آئے گا۔" اُس نے بتایا کہ "رات میرے گھر چور داخل ہو گئے تھے۔ انہوں نے میرے گھر سے تمام سامان اور قیمتی مال و متاع اُٹھالی۔ جب میں اچانک بیدار ہوا تو انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھ سے اس بات کا حلف لیا کہ اگر میں نے شور مچایا یا کسی کو بتایا کہ میرے گھر میں چوری ہوئی ہے اور چوری کرنے والوں کی یہ یہ نشانی ہے تو میری بیوی پر تین طلاق۔ اس طرح میں نے ان کے خوف سے اور اپنی جان کی حفاظت کی خاطر انہیں یہ حلف دے دیا۔ جب صبح ہوئی تو میں بازار پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ وہی چور میرا قیمتی سامان بازار میں فروخت کر رہے تھے۔ میں نے حلف کی پاسداری کرتے ہوئے وہاں نہ تو شور مچایا نہ ہی کسی کو بتایا کہ یہ لوگ چور ہیں اور میرا ہی چوری شدہ سامان فروخت کر رہے ہیں۔ میرا کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ میں آٹھ آٹھ آنسو رویا مگر خاموش رہا۔ بیوی کی تین طلاقوں کی وجہ سے زبان بند رکھی۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر یہی فیصلہ کیا کہ آپؒ کے پاس آؤں تاکہ آپؒ اسلامی شرع کے مطابق میری اس مشکل کا کوئی حل بتائیں۔ آپؒ میری مدد کیجیے۔ میں ساری عمر آپؒ کا شکر گزار ہوں گا۔"

Marfat.com

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اُس شخص کی تمام تر روداد انتہائی غور سے سنی۔ اس کے بعد آپؒ نے اُس سے کہا: ''میاں! جاؤ اور اپنے محلّہ کی مسجد کے امام، مؤذن اور محلّہ کے بااثر اور بااعتماد افراد کو میرے پاس لے آؤ۔'' وہ شخص دوڑا ہوا گیا اور حسب ارشاد تمام افراد کو لے کر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اُس شخص سے کہا کہ وہ ان لوگوں کو بھی چوری کی تمام تفصیل سے آگاہ کرے۔ اُس نے حرف بہ حرف تمام ماجرا تمام لوگوں کے گوش گزار کیا۔

اب حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اُس شخص کے معززین محلّہ سے پوچھا ''کیا تم چاہتے ہو کہ اس بے چارے کا مال و متاع جو کہ چوری کر لیا گیا ہے وہ اللہ کریم کے فضل و کرم سے اسے واپس مل جائے؟'' سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا ''کیوں نہیں۔ اس کا سامان اسے ملنا چاہیئے۔ ہم اس سلسلہ میں ہمہ قسم کے تعاون کے لیئے تیار ہیں۔ آپؒ جس طرح فرمائیں گے ہم اسی طرح عمل کریں گے تا کہ اس کا چوری شدہ مال اسے واپس مل سکے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان لوگوں سے کہا ''یوں کرو کہ اپنے محلّہ کے تمام بدچلن، بدنام اور بدقماش لوگوں کو ایک گھر یا کسی مسجد میں جمع کرو۔ جب سب وہاں جمع ہو جائیں تو ایک دو آدمی دروازے پر کھڑے کر لو اور جس کی چوری ہوئی ہے اُسے بھی ساتھ لے لو۔ پھر اُس گھر یا مسجد سے ایک ایک بدقماش کو باری باری باہر نکالتے جاؤ مگر جس کی چوری ہوئی ہے اُس سے ہر ایک کے بارے میں دریافت کرو کہ کیا یہ تمہارا چور ہے؟ اگر وہ شخص اس کا چور نہ ہو تو یہ کہہ دے کہ یہ میرا چور نہیں ہے اور اگر باہر نکلنے والا شخص واقعتاً اس کا چور ہو تو یہ خاموش رہے۔ جس شخص پر یہ خاموش رہے اُسے اپنے قبضہ میں لے لو کیونکہ وہی ان کا چور ہو گا۔ اس طرح اس کے خاموش رہنے کی شرط بھی پوری ہو جائے گی اور چور بھی پکڑے جائیں گے۔ یوں اس کی بیوی پر طلاق بھی واقع نہیں ہو گی۔''

چنانچہ لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کیا۔ اس طرح چور بھی پکڑے گئے جن سے چوری شدہ مال بھی واپس لیا گیا جبکہ اُس شخص کی بیوی پر

Marfat.com

طلاق بھی واقع نہ ہوئی۔ یوں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فہم و فراست اور بے مثل حکمت عملی سے ایک الجھا ہوا مسئلہ بحسن و خوبی سلجھ گیا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نہ صرف لوگوں کے مسائل کے سلجھاؤ میں اپنی عقلمندی اور حسن تدبیر میں مدد دیتے تھے بلکہ آپؒ کی اپنی زندگی بھی لوگوں کے لیئے باعث تقلید اور عملی نمونہ تھی۔ آپؒ لم تقولون مالا تفعلون کی عملی تفسیر تھے۔ آپؒ کے قول و فعل کی مطابقت نے آپؒ کو ارفع تر مقام عطا کیا تھا۔ آپؒ کے اپنے ساتھ بھی اگر کوئی معاملہ پیش آ جاتا تو آپؒ اُسے بھی انتہائی صداقت اور حسن فکر و تدبر کے ساتھ یوں سلجھاتے کہ وہ لوگوں کے لیئے مشعل راہ بن جاتا۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ سے ایک شخص کوفہ آیا۔ وہ اس غرض سے آیا تھا کہ گھریلو ضرورت کا ساز و سامان خرید کر سکے۔ اور چیزوں کے علاوہ اُس نے کپڑے کی خریداری بھی کرنا تھی۔ کوفہ میں اُس نے اپنے دوستوں سے ایک خاص قسم کے کپڑے کے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اُس کے دوستوں نے اُس سے کہا ''اگر آپ کو اعلیٰ کوالٹی کا کپڑا خریدنا ہے تو ابو حنیفہؒ کی دکان پر تشریف لے جایئے وہاں آپ کو مطلوبہ کپڑا بھی مل جائے گا اور قیمت بھی مناسب ہوگی۔ آپ ابو حنیفہؒ کی دکان پر ایک بات کا خیال رکھنا کہ جو قیمت وہ بتائیں اُس پر بحث نہ کرنا۔ قیمت کم کرانے کے لیئے ہرگز نہ جھگڑنا کیونکہ وہ صرف ایک ہی بات کرتے ہیں اور ایک ہی قیمت بتاتے ہیں جو پہلی اور آخری ہوتی ہے۔''

چنانچہ وہ شخص دوستوں کے مشورہ کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دکان پر پہنچا۔ اُس وقت حضرت امام ابو حنیفہؒ دکان پر موجود نہیں تھے بلکہ کہیں تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ان کا ایک شاگرد بیٹھا ہوا تھا۔ اس شخص نے یہی سمجھا کہ ابو حنیفہؒ ہی دکان پر بیٹھے ہیں۔ اُس نے مطلوبہ کپڑا دیکھا۔ اُسے پسند کیا اور قیمت دریافت کی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد نے اُسے بتایا کہ ''یہ کپڑا ایک ہزار درہم کی قیمت کا ہے۔''

اُس شخص نے اپنے دوستوں کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے بلا چون و چرا ایک ہزار درہم ادا کیئے اور کپڑا خرید کر آ گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی دوسری خریداری مکمل کر کے

Marfat.com

واپس مدینہ منورہ روانہ ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کسی ضرورت سے اس کپڑے کے بارے میں اپنے شاگرد سے دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ ''جناب! وہ کپڑا تو بک گیا ہے'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے پوچھا ''کتنے میں بیچا؟'' شاگرد نے بتایا ''جناب! وہ کپڑا میں نے ایک ہزار درہم میں بیچا ہے'' آپؒ نے شاگرد سے پوچھا ''کس کے پاس بیچا ہے؟'' شاگرد نے بتایا کہ ''ایک شخص مدینہ منورہ سے آیا تھا۔ اُس کے پاس بیچا ہے۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جیسے ہی یہ بات سنی تو آپؒ سخت غصے میں آ گئے اور اُسی لمحے آپ نے اپنے اس شاگرد کو اپنے کاروبار اور دکان سے یہ کہہ کر علیحدہ کر دیا کہ ''تم میرے ساتھ دکان میں رہتے ہوئے بھی لوگوں کو دھوکہ دیتے ہو۔''

اب حضرت امام ابو حنیفہؒ ایک ہزار درہم لے کر اُس شخص کی تلاش میں مدینہ منورہ پہنچے جو کہ کپڑا خرید کر لے گیا تھا۔ کافی تلاش کے بعد آپؒ کو وہ شخص مل گیا۔ آپؒ نے دیکھا کہ اُس شخص نے وہی کپڑا پہنا ہوا ہے اور مسجد میں نماز کی ادائیگی میں مصروف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی وہاں نماز پڑھنا شروع کر دی۔ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی نماز سے فارغ ہوئے تو آپؒ نے آگے بڑھ کر اُس شخص کو سلام کہا۔

سلام دعا کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس شخص سے کہا ''بھائی! یہ جو کپڑا تم نے پہن رکھا ہے یہ میرا ہے۔'' وہ شخص آپؒ کی یہ بات سن کر از حد حیران ہوا اور کہنے لگا ''جناب! آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کپڑا آپ کا ہے۔ میں نے تو یہ کپڑا کوفہ سے ابو حنیفہؒ کی دکان سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ''اگر تم ابو حنیفہ کو دیکھ لو تو پہچان لو گے؟'' اُس شخص نے کہا ''بالکل! میں ابو حنیفہؒ کو فوراً پہچان لوں گا کیونکہ میں نے اُن ہی سے تو یہ کپڑا خریدا تھا۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُس شخص سے کہا ''ابو حنیفہ تو میں خود ہوں۔ کیا آپ نے یہ کپڑا مجھ سے خریدا تھا؟'' اُس نے کہا ''میں نے یہ کپڑا آپ سے تو نہیں خریدا تھا۔ وہ تو کوئی اور شخص تھا جسے میں ابو حنیفہ سمجھا۔'' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ''اچھا! جو

Marfat.com

کچھ ہوا سو ہوا۔ اب یوں کرو کہ اپنے ہزار درہم واپس لے لو اور مجھے میرا کپڑا دے دو۔ دراصل یہ کپڑا میرے ایک شاگرد نے آپ کے پاس بیچا تھا۔ اب میں اپنے اس کپڑے کو واپس لینا چاہتا ہوں۔''

اُس شخص نے کہا ''حضرتؒ! میں اس کپڑے کو کئی مرتبہ پہن چکا ہوں۔ اب یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ کپڑے کو استعمال کرنے کے بعد اسے آپ کو واپس کر دوں۔ ہاں! اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کپڑا اس قیمت سے زیادہ کا تھا جتنی قیمت پر میں نے خریدا اور آپ کے شاگرد نے بیچا تو میں زائد قیمت دینے کو تیار ہوں۔ آپ بتائیے کہ زائد قیمت کتنی بنتی ہے؟''

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ''نہیں! ایسا ہرگز نہیں۔ میں آپ سے اس کی زائد قیمت کی وصولی کے لیئے نہیں آیا۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ اس کپڑے کی صحیح قیمت 400 درہم ہے۔ میرے شاگرد نے آپ کو اسے 1000 درہم پر فروخت کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ 600 درہم آپ کو واپس کر دوں اور کپڑا بھی آپ کے پاس رہے مجھے یقین ہے کہ اس معاملے پر آپ رضا مند ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ صورت آپ کو پسند نہ ہو تو ازراہ صد لطف و کرم میرا کپڑا مجھے واپس کر دیں اور ایک ہزار درہم کی رقم واپس لے لیں۔ البتہ اس دوران آپ نے یہ کپڑا جو بار بار استعمال کیا ہے اس کی میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔''

اُس شخص نے کہا ''حضرت! اب میں کسی صورت بھی یہ کپڑا واپس کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ میں نے یہ کپڑا ایک ہزار درہم میں اپنی خوشی اور رضامندی سے خریدا تھا اس لیئے ایک ہزار درہم میں ہی یہ کپڑا میرے پاس رہنے دیں۔ میں اب اسے واپس نہیں کروں گا۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنی بات پر ڈٹے رہے اور برابر اصرار کرتے رہے۔ آخر کار وہ شخص مجبور ہو کر اس بات پر رضامند ہو گیا کہ 600 درہم کی رقم واپس لے لے اور 400 درہم کے عوض کپڑا بھی اس کے پاس رہے۔ اس شخص کی اس رضامندی پر حضرت امام ابو حنیفہؒ ازحد خوش ہوئے۔ چنانچہ 600 درہم کی رقم اُسے واپس کر کے ہی

مدینہ منورہ سے کوفہ لوٹے۔ (المناقب الموفق صفحہ 174)

حضرت امام ابو حنیفہؒ علم حدیث کے حصول اور تعلیم کے ساتھ ساتھ نبیٔ آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے۔ آپؒ اہل بیت کے قدردان اور آل نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی عقیدت رکھنے والے تھے۔ آپؒ کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس پر اُس لعنتی نے لوگوں سے کہا ''مجھے قدرے مہلت دو تا کہ میں تمہارے سامنے اپنی نبوت کی علامات اور صداقت کے نشانات پیش کر سکوں۔''

لوگوں نے اس سے علامات نبوت کے طلب کرنے یا دیکھنے میں قدرے تامل کیا کہ چلو یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو علم ہوا تو آپؒ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا ''نہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ جھوٹے نبی سے علامات نبوت کی طلب کفر ہے اس لیئے کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا نبی بعدی یعنی میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔ جھوٹے نبی سے علامات نبوت کی طلب امکانِ نبوت کی غمازی ہے جس سے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی صداقت اور ختم نبوت میں شک پڑنے کا اندیشہ ہے جو موجب کفر ہے۔ (عقود الجمان صفحہ 276)

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت کے جو پھول اشعار کی صورت میں نذر کیئے وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نعمت بے بدل کا حسین وجمیل اظہار ہیں کہ جس سے خدائے بزرگ و برتر نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو مالا مال کیا تھا۔ ان عربی اشعار کا ترجمہ پیش کرنا سعادت عظمیٰ ہے۔

1. اے سرداروں کے سردار! میں آپ کے حضور آیا ہوں۔ آپ کی خوشنودی کا امیدوار، آپ کی پناہ کا طلبگار۔
2. اللہ کی قسم! اے بہترین خلائق! میرا دل صرف آپ کی محبت سے لبریز ہے۔ وہ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں۔
3. آپ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو

Marfat.com

اور یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں۔

4. آپ وہ ہیں کہ جب حضرت آدمؑ نے آپ کا توسل اختیار کیا اپنی لغزش پر، تو کامیاب ہوئے۔

5. اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تو ان کی آگ سرد ہو گئی۔

6. اور حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری میں آپ کے وسیلے سے دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی اور بیماری دور ہو گئی۔

7. اور آپ ہی کے ظہور کی خوشخبری لے کر حضرت عیسیٰؑ آئے۔ انہوں نے آپ کے رتبۂ بلند کی خبر دی۔

8. اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ بھی آپ کا وسیلہ اختیار کیئے رہے اور قیامت میں بھی آپ ہی کی حمایت کے طالب رہیں گے۔

9. اور حضرت ہودؑ اور حضرت یونسؑ نے بھی آپ ہی کے حسن سے زینت پائی اور حضرت یوسفؑ کا جمال بھی آپ ہی کے جمال باصفا کا پرتو تھا۔

10. اے طٰہٰ لقب! آپ کو تمام انبیاء پر برتری حاصل ہوئی۔ پاک ہے وہ جس نے ایک رات میں اپنے ملکوت کی سیر کرائی۔

11. اللہ کی قسم! اے یٰسین لقب! آپ جیسا تمام مخلوق میں نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سربلند کیا۔

12. اے کملی والے! آپ کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شاعر عاجز رہ گئے۔ آپ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔

13. میرے سرکار! میرا حقیر دل آپ ہی کا شیدا ہے اور میرے اندر آپ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے۔

14. اے تمام موجودات سے بزرگ و برتر! اے حاصل کائنات! مجھے اپنی بخشش و عطا سے نوازیئے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشئے۔

15. میں آپ کے جود و کرم کا دل سے طلبگار ہوں کہ اس جہان میں ابوحنیفہ کے لیئے آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

Marfat.com

16 اے ہدایت کے علم سربلند! مشتاقانِ زیارت کے شوقِ بے حد کے مطابق قیامت تک اللہ کا درود و سلام آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوتا رہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نعتیہ اشعار کے ترجمہ کے بعد آپؒ کے چند اقوال پیش کرنا بھی آپؒ کے تبلیغی مشن کا اہم حصہ ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ:

1. جو شخص وقت سے پہلے عزت و شرف اور سیادت طلب کرے گا، زندگی بھر ذلیل رہے گا۔
2. جو شخص دین کا علم دنیا کے لیئے حاصل کرے گا، اس کی برکت سے محروم رہے گا۔
3. سب سے بڑی عبادت اللہ پر ایمان ہے اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔
4. جو شخص بغیر تفقہ کے حدیث پڑھتا ہے وہ اس عطار کی مانند ہے جو دوا فروخت کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ کس مرض کے لیئے ہے اس کو طبیب بتاتا ہے اسی طرح محدث حدیث جانتا ہے مگر فقیہ کا محتاج ہوتا ہے۔
5. کوئی شدید ضرورت پیش آئے تو پوری کیے بغیر کھانا نہ کھاؤ کیونکہ کھانا عقل میں ثقل پیدا کر دیتا ہے۔
6. علماء دین کے واقعات بیان کرنا بہت سے فقہی مباحث سے بہتر ہے اسی طرح ان کی مجالس میں بیٹھنا اچھا ہے کیونکہ ان کے اقوال و مجالس ان کے آداب و اخلاق ہیں۔

تاریخ اسلام کا یہ عظیم معلم و محدث اور امام و فقیہ 150 ہجری شوال کے مہینہ میں جمعہ کے روز خالق حقیقی سے جا ملا۔ آپؒ کی وصیت کے مطابق آپؒ کی قبر شریف خیزران کے مقبرے میں بنائی گئی۔ آپؒ کی نماز جنازہ چھ مرتبہ ہوئی اور پہلی نماز جنازہ میں 50 ہزار کے قریب آدمی شریک تھے۔ دفن کے بعد 40 دن تک آپؒ کی قبر پر لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

Marfat.com

Marfat.com

حضرت امام مالکؒ

حضرت امام مالکؒ کی پیدائش کے متعلق اختلاف کے باوجود اکثر علماء کا خیال ہے کہ آپؒ 93 ہجری میں پیدا ہوئے۔ خود حضرت امام مالکؒ نے بھی اپنی پیدائش 93 ہجری ہی کی بیان کی ہے۔ آپؒ نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت مدینہ منورہ کی منزہ و مطہر سرزمین میں پیدا ہوئے اور اکمل و افضل فضاؤں میں سانس لیا۔ آپؒ کو صحابہ کرامؓ اور تابعین سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپؒ نے علم کے مخزن، معرفت کے گہوارے اور نور کے سرچشمے مدینہ منورہ میں پرورش پائی اور اسی معطر و منور ماحول کا اثر دلپذیر تھا کہ آپؒ امامت کے درجہ تک پہنچے۔

آپؒ کا والد کی طرف سے نسب اس طرح ہے، مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی یمنی جبکہ والدہ کی طرف سے نسب یہ ہے کہ عالیہ بنت شریک الازدی۔ چنانچہ آپؒ کے والد اور والدہ دونوں عربی یمنی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کی پرورش ایسے ماحول اور ایسے گھرانہ میں ہوئی جہاں علم حدیث کی تعلیم و ترویج ہمہ وقتی مشغلہ تھا۔ آپؒ کے خاندان کے تمام افراد کسی نہ کسی حوالے سے سنت اور حدیث کی تبلیغ و اشاعت سے منسلک رہتے تھے۔ احادیث کے حصول کے ساتھ ساتھ وہ صحابہ کبارؓ کے فتوے بھی جمع کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ کے دادا حضرت مالک بن ابی عامر تابعین اور علماء میں سے تھے۔

انہوں نے بھی حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت عائشہؓ سے روایات بیان کی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کے بھائیوں میں سے حضرت نضرؒ علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ہمہ وقت علم حدیث کے حصول میں مستغرق رہتے تھے۔ علماء سے ملاقاتیں کر کے ان سے فیوض و برکات حاصل کرتے تھے اور اس حوالے سے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے چنانچہ جب حضرت امام مالکؒ نے علماء کرام کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کرنا شروع کیا تو آپؒ حضرت ''نضرؒ کے بھائی'' سے پہچانے جانے لگے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ حضرت امام مالکؒ کے بھائی حضرت نضرؒ کی شہرت آپؒ سے زیادہ تھی۔ تاہم جب حضرت امام مالکؒ نے علم حدیث میں اپنا کمال ظاہر کرنا شروع کیا اور علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں انفرادیت ظاہر کی تو آپؒ اپنے بھائی کی نسبت زیادہ مشہور ہو گئے۔ اور پھر ایسا وقت آیا کہ حضرت نضرؒ کا ذکر ''مالکؒ کے بھائی'' کے طور پر ہونے لگا۔

حضرت امام مالکؒ نے بچپن ہی میں قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ حافظ قرآن بننے کے بعد آپؒ نے احادیث حفظ کرنے کی طرف توجہ دی۔ آپؒ کے خاندان نے آپؒ کے ذوق وشوق میں بھرپور تعاون کیا۔ آپؒ نے اپنے گھر والوں سے خواہش کا اظہار کیا کہ آپؒ علماء کی مجالس میں جا کر علم سیکھنا اور پڑھنا چاہتے ہیں۔ آپؒ کے والد اور والدہ آپؒ کی اس خواہش سے ازحد خوش ہوئے اور انہوں نے بصد مسرت و انبساط آپؒ کو علماء کی مجالس ومحافل میں جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

آپؒ کی والدہ کو اس بات کا ازحد شوق تھا کہ ان کا بیٹا علم حدیث کا ماہر بنے۔ آپؒ اپنی خواہش اور اپنی والدہ محترمہ کی ترغیب پر پہلے پہل حضرت ربیعہ رائی کی مجلس میں پہنچے اور علم فقہ حاصل کرنا شروع کیا۔ (المدارک) حضرت ربیعہ رائیؒ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس دیتے تھے جسمیں حضرت امام مالکؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت اوزاعیؒ، حضرت لیث مصریؒ اور حضرت یحییٰ انصاری جیسے جید علماء جو کہ اُس وقت تلامذہ تھے شریک درس ہوتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ اپنے اُستادِ مکرم سے درس حاصل کرنے کے بعد درختوں کے سائے میں علیحدہ سے آرام و سکون میں جا بیٹھتے اور جو کچھ سیکھا، یا پڑھا ہوتا اُسے یاد کرتے۔ ایک دن آپؒ کی بہن نے آپؒ کو اس طرح دیکھا تو وہ حیران ہوئی۔ کیونکہ وہ عمر میں بہت چھوٹی تھیں اس لیئے انہوں نے اس بات کا ذکر اپنے والد محترم سے کیا اور کہا:

> ''ابا جان! مالک روزانہ درختوں کے نیچے بیٹھ کر نہ جانے کیا کرتا رہتا ہے۔ کبھی زور سے بولتا ہے اور کبھی آہستہ سے کچھ پڑھنے لگتا ہے۔ خدا معلوم کس چکر میں ہے!'' والد معظم نے اپنی ننھی سی بیٹی سے کہا ''اے بیٹی! تمہارا بھائی بڑا لائق، ذہین اور فطین لڑکا ہے۔ وہ دراصل سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث مبارکہ یاد کرتا ہے۔ تم دیکھنا ایک دن وہ ہم سب کا نام روشن کرے گا۔''

پھر حضرت امام مالکؒ نے حضرت ابن ہرمزؒ کی شاگردی اختیار کر لی۔ اور اُن کی خدمت آٹھ یا دس سال مسلسل حصول علم کے لیئے حاضر ہوتے رہے۔ اس دوران آپؒ نے کسی اور عالم کے درس میں حاضری نہیں دی بلکہ ہمہ وقت حضرت ابن ہرمزؒ کے پاس ہی حصول علم کے لیئے جاتے رہے۔ حضرت امام مالکؒ اپنے استاد معظم حضرت ابن ہرمزؒ سے ازحد متاثر تھے۔ وہ آپؒ کے ان اساتذہ میں سے تھے جن کی طرف آپؒ پوری طرح مائل رہے۔ حضرت امام مالکؒ نے علماء میں حضرت ابن ہرمزؒ کے اسوۂ صالحہ کو پسند کیا ہے اور اُسے اپنی زندگی کا حاصل گردانا ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے یہ بات اپنے استادِ مکرم حضرت ابن ہرمزؒ سے سیکھی تھی کہ جس بات کا علم نہ ہو تو اُس کا صاف صاف اقرار کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ ''مجھے معلوم نہیں'' چنانچہ حضرت امام مالکؒ سے جب بھی کبھی کوئی ایسا سوال کیا گیا یا کبھی کوئی ایسی بات پوچھی گئی کہ جس کے بارے میں آپؒ تسلی بخش علم نہیں رکھتے تھے تو آپؒ واضح طور پر برملا انداز میں کہہ دیتے تھے کہ ''مجھے معلوم نہیں۔''

Marfat.com

حضرت امام مالکؒ نے اپنے استاد معظم حضرت ابن ہرمزؒ سے جو کچھ علم حاصل کیا اُسے مکمل طور پر بیان نہیں کیا اور یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے اپنے استاد محترم سے کیا کچھ سیکھا کیونکہ اُن کے استاد مکرم حضرت ابن ہرمزؒ نے دین داری، تقویٰ اور پرہیزگاری کے باعث یہ وصیت کی تھی کہ وہ احادیث کی اسناد میں ان کا ذکر بالکل نہ کریں۔

حضرت امام مالکؒ نے طلب علم میں زبردست مشقت اٹھائی۔ آپؒ دوپہر کے وقت سخت گرمی میں حضرت نافع کے مکان پر جاتے تھے۔ ان کا مکان مدینہ منورہ سے باہر بقیع میں تھا۔ آپؒ ان کا مکان سے نکلنے کا انتظار کرتے رہتے پھر مسجد تک ساتھ جاتے یہاں تک کہ جب حضرت نافع ٹھہر جاتے اور مطمئن ہو جاتے تو حضرت امام مالکؒ اُن سے ملاقات کرتے۔ پھر اُن سے حدیث و فقہ کے مسائل دریافت کرتے۔ آپؒ نے ان سے بہت سی احادیث حاصل کیں اور حضرت ابن عمرؓ کے فتوے سیکھے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ کا فقہ و حدیث میں ایک خاص مقام ہے۔ انہوں نے احادیث نبوی سے احکام کا استنباط کیا ہے اور اصول بنائے ہیں۔

اس ضمن میں حضرت امام مالکؒ خود بیان فرماتے ہیں کہ:

"میں حضرت نافع کے پاس دوپہر کے وقت جاتا تھا۔ سورج کی تمازت اس قدر ہوتی تھی کہ کسی بھی درخت کے نیچے سایہ میسر نہیں آتا تھا۔ میں حضرت نافع کی باہر آمد کا انتظار کرتا تھا۔ جب وہ باہر نکلتے تو نصف گھنٹہ تک میں اُن کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تھا گویا میں نے انہیں دیکھا ہی نہیں تاکہ وہ اطمینان و سکون حاصل کریں۔ پھر میں اُن کے سامنے آتا۔ انہیں سلام کرتا اور پھر انتظار کرتا یہاں تک کہ وہ مجلس میں داخل ہوتے۔ پھر جب وہ مکمل سکون میں ہوتے تو میں اُن سے پوچھتا کہ حضرت ابن عمرؓ نے فلاں معاملہ میں کیا فرمایا ہے؟ وہ مجھے تسلی بخش جواب دیتے اور میرے ہر سوال کو خندہ پیشانی کے ساتھ سنتے اور اُس کا خیر مقدم کرتے۔"

Marfat.com

حضرت امام مالکؒ نے حضرت ابن شہاب الزہری سے بھی کسب فیض کیا۔ اس حوالے سے حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ:

''میں اور ربیعہ دونوں مل کر حضرت ابن شہاب الزہری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احادیث بیان کرنے کی استدعا کی۔ انہوں نے ہم سے 40 سے زائد احادیث بیان کیں۔ دوسرے دن ہم دوبارہ اُن کے پاس حاضر ہوئے۔ انہوں نے ہم سے پوچھا ''کیا تم نے اُسے اچھی طرح دیکھ اور سمجھ لیا جو کچھ میں نے کل بیان کیا تھا؟'' ان سے ربیعہ نے کہا ''یہ ہے وہ شخص جو آپ کو سب کچھ سنا دے گا جو آپ نے کل بیان فرمایا تھا۔'' انہوں نے پوچھا ''وہ کون ہے؟'' ربیعہ نے کہا ''مالک ابن ابی عامر'' انہوں نے مجھ سے کہا ''چلو سناؤ۔ میں نے کل تمہیں کیا کچھ بتایا تھا'' میں نے اسی لمحے 140 احادیث سنا دیں۔ اس پر حضرت ابن شہاب الزہری کے منہ سے بے اختیار نکلا ''میں سمجھتا تھا کہ میرے علاوہ یہ احادیث کسی دوسرے کو یاد نہیں مگر اب تو ایک اور شخص بھی سامنے آ گیا ہے۔'' (المدارک)

حضرت امام مالکؒ نے حضرت ابن شہاب الزہری سے کسب فیض کرنے میں کسی قسم کی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ اس سلسلہ میں آپؒ کو مشقت بھی کرنا پڑتی اور صبر آزما انتظار بھی مگر آپؒ اپنے مشن پر ڈٹے رہے۔ حضرت امام مالکؒ راوی ہیں کہ:

''عید آئی تو میں نے یہ خیال کیا کہ آج میرے استاد معظم حضرت ابن شہاب الزہری فارغ ہوں گے۔ یہ اچھا موقع ہے کہ ان سے کسب فیض کیا جائے۔ چنانچہ میں جب عید کی نماز پڑھ کر واپس آیا تو اُن کے دروازہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے سنا کہ وہ اپنی جاریہ سے فرما رہے تھے ''دیکھو دروازہ پر

Marfat.com

کون ہے؟'' اُس نے آ کر دیکھا اور اندر جا کر بتایا کہ ''وہی آپ کا تابعدار شاگرد مالک ہے'' انہوں نے کہا ''اُسے اندر بلا لو۔'' میں بلاوے پر اندر گیا تو حضرت ابن شہاب الزہری نے مجھ سے پوچھا ''کیا عید کی نماز سے فراغت کے بعد تم اپنے گھر نہیں گئے؟'' میں نے نفی میں جواب دیا تو پھر پوچھا ''کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں؟'' میں نے پھر نفی میں جواب دیا تو فرمانے لگے ''کچھ کھا لو۔'' میں نے کہا ''استاد محترم! اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کر رہا۔'' انہوں نے پوچھا ''پھر کیا ارادہ لے کر آئے ہو؟'' میں نے کہا ''احادیث سننا چاہتا ہوں۔ بیان فرمائیں گے تو عنایت ہوگی۔''

حضرت ابن شہاب الزہری نے مجھ سے 140 احادیث بیان فرمائیں۔ میں نے کہا ''حضرت! اور فرمائیے''۔ کہنے لگے ''بس یہی کافی ہیں۔ اگر تم نے یہی احادیث یاد کر لیں تو تمہارا شمار حفاظ میں ہوگا۔'' میں نے کہا ''استاد مکرم! میں نے تو یہ 140 احادیث یاد کر لیں ہیں۔'' انہوں نے کہا ''اگر یاد ہیں تو پھر جلدی سے سناؤ۔'' میں نے وہ ایک ایک کر کے تمام بیان کر دیں۔ آپ نے فرمایا ''اے مالک! جاؤ تم علم کے زبردست فقیہ ہو۔''

مختلف جید اساتذہ کرام سے احادیث اور فتاویٰ کی تعلیم کے حصول کے بعد حضرت امام مالکؒ نے اس کی ترویج و اشاعت اور درس و افتاء کے مجلس کا آغاز کیا۔ یہ مجلس مسجد نبویؐ میں قائم کی گئی۔ حضرت امام مالکؒ نے جب یہ مجلس قائم کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے تمام تر تقاضے پہلے سے ہی پورے کر لیے۔ آپؒ خود اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص مسجد نبویؐ میں درس دینے اور فتوے جاری کرنے کے لیے بیٹھے اُسے چاہیئے کہ وہ اس سے پہلے اہل اصلاح اور صاحبانِ فضل سے مشورہ کر لے۔ اور انہیں سے اپنی مجلس کا

مقام بھی طے کرالے۔ اگر وہ اسے اس مسند کا اہل سمجھیں تو وہ
اس مسند پر بیٹھے ورنہ دُور رہے۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے
میں خود نہیں بیٹھا یہاں تک کہ اہل علم میں سے 70 علماء نے
شہادت دی کہ میں اس منصب و مسند کا اہل ہوں۔"

(المصدر)

حضرت امام مالکؒ نے درس ۔ ۔تاء کی مجلس اُس وقت قائم کی جب آپؒ کی قابلیت و اہلیت بڑے سے بڑا عالم بھی مانتا تھا۔ اُس وقت آپؒ کی عمر بھی پختہ ہو چکی تھی۔ آپؒ نے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو بڑے فقیہ تھے اُن کے فتاویٰ اور فیصلوں کی پیروی کی۔ ان کے احکام اور فیصلوں کو سمجھا اور کوشش یہ کی کہ اپنے مطالعہ اور تحقیق میں ان کی پیروی کی جائے۔

حضرت امام مالک اہل مدینہ منورہ کے اعمال، ان کے پیمانے، ان کے اوزان اور اُن کے طور طریقوں پر تفصیلی غور کرتے تھے۔ ان ہی لوگوں کے طریقوں سے ان کی فقہ کا رستہ منور ہو گیا اور ان کے لیئے ہدایت و اصلاح آسان سے آسان تر ہو گئی۔

جہاں تک حضرت امام مالکؒ کی معاشی حالت کا تعلق ہے تو آپؒ نے تنگ دستی کی سختیاں بھی اُٹھائیں اور کشادگی و فراخی کے دن بھی دیکھے۔ دونوں قسم کے حالات میں آپؒ رب کائنات کی نعمتوں کے شکر گزار رہے۔ جب حضرت امام مالکؒ کی غربت جاتی رہی اور رب رحمٰن و رحیم نے ان پر اپنی دنیاوی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے تو ان کی زندگی سے بھی یہ سب کچھ عیاں ہوتا تھا۔ آپؒ کا کھانا، کپڑا اور مکان پُرتکلف ہوتا تھا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے "میں کسی آدمی کے لیئے پسند نہیں کرتا کہ رب ذوالجلال نے اس پر اپنی نعمتوں کی بخشش کی ہو اور پھر اس کی زندگی میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ خاص کر اہل علم پر۔" (المدارک)

حضرت امام مالکؒ کی غذا بہت اچھی ہوتی تھی۔ آپؒ اپنے لباس کی طرف بھی خاص توجہ دیتے تھے۔ آپؒ فرماتے تھے کہ "مجھے پسند ہے کہ طالب علم نہایت اُجلے کپڑے پہنے۔" آپؒ کو سفید لباس بہت پسند تھا۔ کپڑوں کی نفاست اور صفائی کا خاص

خیال رکھتے تھے۔

مکان کے ساز وسامان کی طرف بھی آپؒ خاص توجہ فرماتے تھے۔ آپؒ کو خوشبو بہت پسند تھی۔ آپؒ کے شاگرد رشید اشہب نے لکھا ہے کہ "حضرت امام مالکؒ بہت اچھی خوشبو استعمال کرتے تھے، مشک وغیرہ بھی استعمال میں لاتے تھے۔"

اس طور طریقے سے حضرت امام مالکؒ کی مراد دنیا کی زینت کا حصول ہرگز نہیں تھا بلکہ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ روح کی بلندی اور نفس کی عظمت حاصل ہو۔ طلبِ علم میں تقویت ہو۔ آپؒ سمجھتے تھے کہ خوش پوشی سے نفس میں صفائی، سکون اور اطمینان پایا جاتا ہے۔ اچھے لباس اور اچھے مکان کے موجود ہونے سے عزت نفس میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اگر رب تعالیٰ نے ان نعمتوں سے نوازا ہے تو ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔

درس کے دوران حضرت امام مالکؒ وقار اور سکون کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ "طالب علم پر یہ فرض ہے کہ اس میں سکون، وقار اور خوفِ خدا ہو۔ سنت کا پیروکار ہو اور اُس کا نفس مزاح سے خالی ہو، خاص اُس وقت جب علم کا بیان ہو رہا ہو۔"

حضرت امام مالکؒ کا ان باتوں پر سختی سے عمل تھا۔ پہلے تو آپؒ مسجد میں درس دیتے تھے۔ پھر بیماری کی وجہ سے گھر پر درس دینا شروع کیا۔ آپؒ نماز اور جمعہ کے لیئے مسجد میں آتے تھے۔ جنازے میں شریک ہوتے تھے۔ مریض کی عیادت کرتے تھے۔ ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ جب مرض نے شدت اختیار کی تو پھر اپنے گھر ہی کے ہو کر رہ گئے اور وہیں درس دیتے تھے لیکن لوگوں سے منقطع نہیں ہوئے تھے۔

حضرت امام مالکؒ میں خوفِ خدا درجہ کمال کو تھا۔ طلبِ علم میں ان کا اخلاص قابل دید اور قابل تعریف و تحسین تھا۔ کبھی کسی نے انہیں فضول بات کرتے نہیں پایا۔ نہ غصہ ہوتے سنا۔ وہ متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کی روحانی قوت معراج پر تھی۔ عزت نفس میں ان کا رتبہ بہت بلند تھا۔ ان سب خوبیوں ہی کا اثر اور نتیجہ تھا کہ ان کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ آپؒ جب درس دیتے یا تقریر فرماتے تو کسی کو اعتراض کی

Marfat.com

مجال نہیں ہوتی تھی۔

واقدی نے حضرت امام مالکؒ کی مجلس کے متعلق لکھا ہے کہ:

''آپؒ کی مجلس وقار و علم کی مجلس ہوتی تھی۔ آپؒ کی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ دبدبہ چھایا ہوا رہتا تھا۔ آپؒ کی مجلس میں کوئی پستی یا کسر شان کی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ کوئی آواز بلند نہیں ہوتی تھی۔''

حضرت امام مالکؒ عام حالات میں کبھی مسند پر نہیں بیٹھا کرتے تھے البتہ جب حدیثِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے لگتے تو پہلے وضو کرتے، بہترین کپڑے پہنتے اور مسند پر بیٹھ کر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے۔

جب حضرت امام مالکؒ نے مسجد نبویؐ سے منتقل ہو کر اپنے مکان پر درس دینا شروع کیا تو اُن کا طریق کار یہ تھا کہ جب لوگ آتے تو اُن کی باندی جاریہ باہر نکلتی اور دریافت کرتی ''حضرت آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ حدیث کے لیئے آئے ہیں یا مسائل کے لیئے؟''

اگر وہ کہتے کہ مسائل کے لیئے آئے ہیں تو حضرت امام مالکؒ باہر تشریف لے آتے اور انہیں فتوے دے کر واپس گھر اندر چلے جاتے۔ اور اگر وہ کہتے کہ حدیث کے لیئے آئے ہیں تو جاریہ (باندی) کہتی ''آپ لوگ تشریف رکھیئے۔''

اب حضرت امام مالکؒ غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نیا لباس پہنتے، ساجہ پہنتے، عمامہ باندھتے۔ آپؒ کے لیئے مسند بچھائی جاتی۔ پھر آپؒ باہر تشریف لاتے اور حدیث پاک بیان فرماتے۔ (المدارک)

حضرت امام مالکؒ کو رب قادر و قدیر نے بصیرت کی روشنی وافر مقدار میں عطا کی تھی۔ آپؒ ہر بات کی تہہ تک فوری طور پر پہنچ جاتے تھے۔ رب رحمٰن و رحیم نے آپؒ کو لمبی عمر عطا کی تھی۔ جیسے جیسے آپؒ کی عمر مبارک بڑھتی جا رہی تھی آپ کا فہم و ادراک اور تخیل و وجدان، قدر و منزلت اور شوکت و اقبال بھی بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ تمام اسلامی ممالک میں مشرق سے مغرب تک آپؒ کی شہرت و عزت اور وقار و احترام پھیل چکا تھا۔

Marfat.com

بڑے بڑے جید علماء کرام اور طلباء احادیث سننے کے لیئے دُور دراز کے ممالک سے میلوں کا سفر کر کے آپؒ کے پاس پہنچتے تھے اور آپؒ کے نہ صرف درس میں شامل ہوتے تھے بلکہ اپنے اپنے مسائل بیان کر کے فتوے بھی حاصل کرتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ خاص طور پر موسم حج میں اپنے دربان کو حکم دیتے کہ اہل مدینہ کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ جب آپؒ انہیں احادیث کی تعلیم دے کر فارغ ہوتے تو پھر دوسروں کو اندر آنے کی اجازت ملتی۔ چونکہ موسم حج میں لوگوں کا بے انتہا ہجوم ہو جاتا تھا اس لیئے ان ایام میں آپؒ کے شاگردوں اور مریدوں کا ایک گروہ ان لوگوں کی حفاظت پر مامور کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مہمانوں کی ضروریات زندگی کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

حضرت امام مالکؒ فرضی فقہ سے اجتناب کرتے تھے۔ اور واقعی امور پر فتوے صادر کرتے تھے۔ آپؒ اپنے درس میں صرف انہی مسائل کا جواب دینا ضروری سمجھتے تھے جو حقیقتاً واقع ہوتے ہیں۔ فرضی باتوں اور فرضی مسائل کے جوابات دینے سے آپؒ پرہیز فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت امام مالکؒ سے کسی نے فرضی مسئلہ پر سوال کیا۔ آپؒ نے کہا ''میاں! وہی بات پوچھو جو ہوتی ہے اور جو نہیں ہوتی اُسے چھوڑ دو۔''

حضرت امام مالکؒ واقعی امور کے مسائل میں فتویٰ دینے میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اسی لیئے جواب مختصر دیتے تھے کیونکہ آپؒ جانتے تھے کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ اللہ کے دین میں بے دلیل گفتگو کی جائے۔ اکثر اپنا جواب ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ سے شروع کرتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''قاضی کے لیئے ضروری ہے کہ وہ علماء کی ہم نشینی ترک نہ کرے اور جب کوئی مشکل فیصلہ آ جائے تو علماء سے رجوع کرے اور ان سے مشورہ لے۔'' مدینہ کے حاکموں میں سے ایک حاکم کو آپؒ نے ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:

''جب تم پر کوئی مشکل آئے تو غور کرو اور اپنی رائے کو

Marfat.com

دوسرے کی نظر سے جانچو۔اس لیئے کہ جانچ، رائے کے عیب کو نکال دیتی ہے جس طرح آگ سونے کو صاف کر دیتی ہے۔"

حضرت امام مالکؒ احادیث کے بیان میں اپنے اُس سنے ہوئے پر اعتماد کرتے تھے جوانہوں نے اُن راویوں سے سنا جن سے ملاقات کی۔آپؒ اکثر اوقات اسے لکھ لیا کرتے تھے۔آپؒ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدون بھی کرتے تھے اور ان کے حفظ کرنے میں بھی پوری سعی اور کوشش کرتے تھے۔آپؒ حفظ اس لیئے کرتے تھے تاکہ اس کے علم سے عقل کی غذا حاصل کریں اس لیئے کہ حفظ دراصل عقل کی غذا ہے۔البتہ آپؒ احادیث کو ضابطۂ تحریر میں اس لیئے لاتے تھے تاکہ عقل کو یہ شبہ نہ ہو کہ اُسی پر تمام دارومدار ہے۔

حضرت امام مالکؒ اپنے شاگردوں کو بھی اسی بات پر آمادہ کرتے تھے کہ وہ بھی آپؒ کی طرح عمل کریں۔ آپؒ احادیث مدون کرتے تھے اور شاگردوں میں نشرواشاعت کرتے تھے۔ایک شاگرد حضرت امام مالکؒ کی موجودگی میں دوسرے طلباء کے سامنے پڑھتا۔اگر وہ پڑھنے میں غلطی کرتا تو آپؒ فوری طور پر اس کی تصحیح فرماتے اور یوں غلطیوں سے مبرا تحریر وجود میں آجاتی۔

حضرت امام مالکؒ کی صاحبزادی فاطمہ بنت مالکؒ اپنے والد محترم کے درس میں ازحد دلچسپی اور اشتیاق کا مظاہرہ کرتی تھیں۔انہیں حضرت امام مالکؒ کی مدون کردہ کتاب مؤطا امام مالک ازبر یاد تھی۔وہ درس کے دوران اس قدر معاونت کرتی تھیں کہ جب حضرت امام مالکؒ درس و تدریس میں مصروف ہوتے تھے تو وہ دروازہ کی آڑ میں کھڑی رہتی تھیں اور جب کوئی طالب علم مؤطا کو پڑھنے میں کسی جگہ کوئی غلطی کرتا تھا تو وہ ناخن سے دروازہ کھٹکھٹاتی تھیں۔ان کے والد امام مالکؒ سمجھ جاتے تھے کہ طالب علم نے غلطی کی ہے لہٰذا اُس غلطی کی تصحیح فرما کر طالب علم سے دوبارہ پڑھنے کو کہتے تھے۔

ایک دفعہ حج کے موقع پر خلیفہ مہدی مدینہ منورہ گیا تو خلیفہ نے حضرت امام مالکؒ سے ملاقات کی۔ازحد عزت و تکریم کی اور خواہش ظاہر کی کہ اُس کے بیٹوں موسیٰ

Marfat.com

اور ہارون کو حدیث کا علم دیں۔ حضرت امام مالکؒ نے کہا "علمِ حدیث کی ترویج ہی تو ہمارا بنیادی کام ہے۔"

جب خلیفہ مہدی نے حضرت امام مالکؒ کی رضامندی دیکھی تو اگلے ہی روز اراکین سلطنت کو آپؒ کی خدمت میں بھیجا اور پیغام دیا کہ "آپؒ تشریف لے آیئے اور بچوں یعنی میرے صاحبزادوں کو تعلیم دیجیے۔" حضرت امام مالکؒ نے جواب دیا:

"علم ایک قابل احترام چیز ہے۔ اس کے پاس جانا چاہیئے۔
یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ علم خود چل کر طالب کے پاس
جائے۔"

خلیفہ نے حضرت امام مالکؒ کی اس بات کو بصد خوشی و احترام قبول کیا اور اپنے دونوں صاحبزادوں کو حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں بھیجا۔ جب دونوں صاحبزادے حضرت امام مالکؒ کے پاس حدیث کی تعلیم کے حصول کی غرض سے پہنچے تو آپؒ نے اُن سے کہا "میرا طریقۂ تعلیم یہ ہے کہ شاگرد کتاب میں سے اُستاد کے سامنے پڑھتا ہے جبکہ اُستاد اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔" مگر خلیفہ کے بیٹوں نے اس طریقۂ تعلیم کے بارے میں اپنے والد محترم کو اطلاع دی تو خلیفہ نے حضرت امام مالکؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ "آپؒ نے پڑھانے کا وعدہ فرمایا مگر اب پڑھانے سے انکار کر دیا۔" حضرت امام مالکؒ نے کہا "میرا اور میرے اساتذہ کرام کا طریقۂ تعلیم یہی ہے کہ شاگرد پڑھتا ہے اور استاد سن کر غلطیوں سے آگاہ کرتا ہے۔" چنانچہ خلیفہ کے بیٹوں نے حضرت امام مالکؒ کے طریقۂ درس کے مطابق پڑھنا شروع کر دیا۔

حضرت امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں دنیا کے کونے کونے سے طلباء تشریف لاتے تھے اور اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ آپؒ کے تلامذہ میں حضرت ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا نام ان کی طلبِ علم کی شدت کی وجہ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلس سے چل کر حضرت امام مالکؒ کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ پہنچے تھے اور انتہائی انہماک و اشتیاق کے ساتھ آپؒ کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے۔ ایک دن یکایک ایک شور ہوا کہ ہاتھی آیا ہے۔ تمام طلباء اپنے استاد مکرم حضرت امام

Marfat.com

مالکؒ سے اجازت لے کر ہاتھی دیکھنے چلے گئے مگر حضرت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اپنی جگہ سے نہ اُٹھے۔ حضرت امام مالکؒ نے جب یہ دیکھا کہ صرف ایک طالب علم ہاتھی دیکھنے نہیں بلکہ اپنی جگہ پر بیٹھا مطالعہ میں مصروف ہے تو آپؒ نے اُس سے پوچھا ''اے یحییٰ! تم ہاتھی دیکھنے نہیں گئے! جاؤ۔ تم بھی ہاتھی دیکھ آؤ۔''

حضرت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی نے استاد معظم حضرت امام مالکؒ سے کہا:

''استاد مکرم! دراصل میں اپنے شہر سے آپؒ کو دیکھنے اور آپؒ سے علم و ادب سیکھنے کے لیئے آیا ہوں۔ میں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔''

حضرت امام مالکؒ اپنے شاگرد رشید حضرت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا یہ پُر تدبر اور احترام آمیز جواب سن کر از حد خوش ہوئے اور ان کو ''عاقل اھل الاندلس'' کے خطاب سے نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن یحییٰ جب علم و عمل کی دولت سمیٹ کر اندلس پہنچے تو وہاں ان کے علم و فضل اور عقل و دانش کا شہرہ اس قدر بلند ہوا کہ وہ حرف آخر سمجھے جانے لگے۔ یوں اندلس میں ان کی علمی و دینی کاوشوں سے مالکی مسلک کو فروغ حاصل ہوا۔ خاص طور سے ان سے مؤطا امام مالکؒ کی روایت کی گئی۔ اگرچہ مؤطا امام مالکؒ کے کئی نسخے ہیں مگر یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت اور اُن کا نسخہ زیادہ مشہور اور مقبول و مستند سمجھا جاتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کی درسگاہ سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں ان کے نام حروف تہجی کے حساب سے جمع کئے ہیں اور ان کی تعداد 1300 سے زائد بیان کی جاتی ہے۔ علامہ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھا ہے کہ:

> ''حضرت امام مالکؒ سے اتنے زیادہ لوگوں نے حدیث روایت کی کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔''

حضرت امام مالکؒ کا شمار فقہائے حدیث کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ آپؒ کا فقہی مسلک اہل مدینہ خاص طور سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مطابق تھا۔ آپؒ رائے اور قیاس سے بھی کام لیتے تھے۔ ابن حزم نے حضرت امام مالکؒ کو الفقیہ لکھا ہے۔ علامہ

Marfat.com

ذہبی نے فقیہ الامت کا لقب دیا ہے۔ ابن حجرت نے بھی الفقیہ بتایا ہے۔ ابن قتیبہ نے حضرت امام مالکؒ کا ذکر اصحاب الرائے میں کیا ہے جبکہ ابن ندیم نے اخبار الفقہا میں سب سے پہلے حضرت امام مالکؒ کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا رتبہ اتباع سنت کے حوالے سے بہت بلند ہے۔ آپؒ بدعات سے سخت متنفر تھے اور عقائد میں کتاب وسنت کے سخت پابند تھے۔ ہر دینی معاملہ میں سلف صالحین کے اسوہ کو مدنظر رکھتے تھے۔ سلف صالحین کے یہاں علم وعمل، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت کا مطلب دین تھا اور وہ جملہ صفات کے جامع اور ترجمان تھے۔ حضرت امام مالکؒ میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔

حضرت امام مالکؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ:

''جو شخص چاہتا ہے کہ اُس کا دل روشن ہو، موت کی سختی سے نجات حاصل کرے۔ قیامت کی تلخی سے محفوظ رہے تو اُس کا باطنی عمل اُس کے ظاہری عمل سے زیادہ ہونا چاہیے۔''

حضرت مصعب بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ''جب حضرت امام مالکؒ کے سامنے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہوتا تھا تو آپؒ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور سر نیچا کر لیتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ کا معمول تھا کہ آپؒ ہر ماہ کی پہلی رات کو پوری رات عبادت و ریاضت میں گزارتے تھے۔ آپؒ کی صاحبزادی فاطمہ بیان کرتی ہیں کہ:

''میرے والد ہر رات اپنا معمول کا وظیفہ یعنی نوافل اور ذکر مکمل یکسوئی کے ساتھ پورا کرتے تھے جبکہ جمعۃ المبارک کی رات ایسی رات ہوتی تھی جب آپؒ تمام رات عبادت الٰہی میں مشغول ومصروف رہتے تھے۔''

حضرت امام مالکؒ نوافل میں طویل رکوع وسجود کرتے تھے۔ آپؒ کے اخفائے حال کا یہ عالم تھا کہ اپنے رومال کو تہہ کر کے رکھتے تھے اور نماز کے وقت اسی پر سجدہ کرتے تھے۔ آپؒ سے لوگوں نے پوچھا ''حضرت! آپؒ ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' آپؒ

Marfat.com

نے فرمایا ''میں یہ اس لیئے کرتا ہوں تا کہ میری پیشانی پر سجدے کا نشان نہ پڑے جس کو دیکھ کر لوگ سمجھیں کہ میں قیام لیل کرتا ہوں۔'' یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ نفل عبادت تنہائی میں کرتے تھے تا کہ کوئی نہ دیکھ سکے اور ان کی عبادت و ریاضت کی شہرت نہ ہو۔

حضرت امام مالکؒ کی حیات مبارکہ کا لمحہ لمحہ اُن اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کا خوبصورت اور حسین عکس تھا جو صحابہ کرامؓ اور تابعین میں موجود تھے۔ حضرت امام مالکؒ کے مکان واقع وادیٔ عقیق کے دروازے پر ماشاء اللہ لکھا تھا۔ بعض لوگوں نے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ قرآن حکیم میں ایک واقعہ کے ضمن میں ہے کہ:

''جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو ماشاء اللہ کیوں نہیں کہا۔''

حضرت امام مالکؒ فرماتے تھے کہ باغ بھی ایک گھر ہی ہے اس لیئے میں نے اپنے گھر کے دروازے پر ماشاء اللہ لکھوا دیا ہے تا کہ جب بھی اس میں داخل ہوں تو میری زبان سے فوراً ماشاء اللہ ہی نکلے۔

حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں کبھی سواری پر نہیں چلتے تھے ہمیشہ پیدل سفر کرتے تھے۔ آپؒ کہتے تھے کہ ''جس سرزمین میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہو اور جس خاک پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم چلے پھرے ہوں۔ اس پر سواری کرنا سوئے ادب ہے۔''

حضرت امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین کو چوپایوں کے پیروں سے روندوں۔'' البتہ آپؒ مدینہ منورہ کے باہر سواری استعمال کرتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ کثیر الصمت اور قلیل الکلام تھے۔ کھل کر نہیں ہنستے تھے بلکہ صرف ہلکی سی مسکان آپؒ کے چہرے کا احاطہ کر لیتی تھی۔ آپؒ بات کو طول دینے کے قائل نہیں تھے۔ مختصر جامع بات کرتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ خلفاء و امراء سے ملتے تھے اور ان کے سامنے نہایت دلیری، جرأت اور بے باکی کے ساتھ کلام کرتے ہوئے

Marfat.com

حق بات کہتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپؒ سے پوچھا ''حضرت! آپؒ ظالم و جابر حکمرانوں کے یہاں آتے جاتے ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟'' آپؒ نے فرمایا:

''اگر ظالم و جابر حکمرانوں سے حق کی بات نہیں کی جائے گی تو پھر کہاں کہی جائے گی!''

حضرت امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ ابوجعفر منصور نے مجھ سے پوچھا کہ کیا روئے زمین پر کوئی شخص آپؒ سے بڑا عالم ہے؟'' میں نے کہا کہ ''جی ہاں'' اُس نے کہا کہ ''آپ مجھے ان کے نام بتائیے۔'' میں نے کہا ''مجھے ان کے نام یاد نہیں ہیں۔''

اس کے بعد اُس نے مجھ سے کہا کہ ''میں چاہتا ہوں کہ آپؒ کے علم (مؤطا) کو رائج کروں اور لشکر کے امراء اور شہروں کے قضاۃ کو لکھوں کہ وہ مؤطا کو سیکھیں اور رائج کریں اور جو اِس کی مخالفت کرے اُس کی گردن اُڑا دی جائے۔''

میں نے کہا ''اے ابوجعفر! حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بہت سے ممالک فتح ہوئے اور انہوں نے جید اور عالم صحابہ عظامؓ کو مفتوحہ ممالک میں معلم بنا کر بھیجا۔ ان حضرات نے دین کا علم کونے کونے میں پہنچایا حتیٰ کہ وہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ اگر آپ ان صحابہ کرامؓ کے تلامذہ در تلامذہ میں میرے ہی علم کی ترویج و اشاعت کریں گے تو اُن کے یہاں کے اقوال و علوم کے مقابلہ میں یہ علم غیر متعارف معلوم ہوگا۔ اس صورت میں مخالفت اور ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوگی۔ اس لیئے ہر شہر کے لوگوں کو ان پہلے سے رائج علم پر ہی رہنے دیا جائے جبکہ آپ خود میرے علم پر عمل کریں۔'' یہ سن کر ابوجعفر نے کہا:

''آپؒ نے کس قدر دُوراندیشی کی بات کی ہے۔ میں آپؒ کی ذہانت و فطانت کا پہلے بھی قائل تھا مگر اب آپؒ کی قدر و منزلت میرے دل میں اور بڑھ گئی ہے۔''

حضرت امام مالکؒ انتہائی صلح جُو، بردبار اور اخوت و محبت کا بے مثل منارہ تھے۔ فتنہ و فساد اور بغاوت و انقلاب جیسے الفاظ آپؒ کی لغت اور طبیعت سے بالکل خارج

Marfat.com

تھے۔ لیکن دورِ عباسی میں ابو جعفر منصور کے عہد میں آپؒ پر کوڑوں کی تعزیر جاری ہوئی۔ تمام مؤرخ حضرت امام مالکؒ پر اس سزا کے وارد ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اکثر راویوں کا اتفاق ہے کہ آپؒ کو یہ سزا 146 ہجری میں سنائی گئی۔ اس سزا میں آپؒ کو کوڑے مارے گئے۔

اس سزا کے اسباب میں سب سے زیادہ مشہور سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام مالکؒ ایک حدیث بیان کرتے تھے کہ "اگر جبراً کسی سے طلاق دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی۔" فتنہ اُٹھانے والوں نے اس حدیث سے ابو جعفر منصور کی بیعت کے باطل ہونے پر دلیل حاصل کی۔ یہ بات مدینہ منورہ میں پھیل گئی۔ ابو جعفر منصور نے حضرت امام مالکؒ کو منع کیا کہ آپؒ جبری طلاق والی حدیث بیان نہ کریں۔ پھر ایک جاسوس بھیجا جس نے آپؒ سے سوال کیا تو آپؒ نے یہ حدیث تمام لوگوں کے سامنے بلا حیل و حجت بیان کر دی۔ لہٰذا حاکم مدینہ نے کوڑوں کی سزا دی۔

علامہ ابن جریر طبری نے یہ گمان کیا ہے کہ حضرت امام مالکؒ یہ حدیث بیان کر کے محمد بن عبداللہ کی بیعت کے لیئے لوگوں کو ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے محمد بن عبداللہ سے بیعت کرنے کے لیئے فتویٰ دے دیا تھا۔ لوگوں نے حضرت امام مالک سے کہا کہ:

"ہمارے گلے میں منصور کی بیعت کا طوق ہے"

حضرت امام مالکؒ نے کہا "تم سے زبردستی بیعت لی گئی ہے اور بیعت جبراً نہیں ہوتی۔" لہٰذا حضرت امام مالکؒ کے کہنے پر لوگوں نے محمد بن عبداللہ سے بیعت کر لی۔ (تاریخ ابن کثیر)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے زندگی بھر کبھی فتنہ کی رغبت نہیں دلائی اور نہ ہی بغاوت کی ترغیب دی۔ دراصل وہ کسی کے راضی کرنے کے لیئے حدیث بیان کرنے سے رُک بھی نہیں سکتے تھے۔ نہ وہ کسی خواہش کی پیروی میں حدیث بیان کرتے تھے بلکہ انہوں نے دیکھا کہ بیان نہ کرنا علم کو چھپانا ہے اور رب کائنات نے علم کو چھپانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ آپؒ اپنے شاگردوں سے بھی یہی فرماتے تھے کہ وہ

Marfat.com

علم کو بیان کریں۔ اُسے زیادہ سے زیادہ پھیلائیں اور ہرگز ہرگز نہ چھپائیں۔
(المدارک)

اس حدیث کے بیان کرنے میں حقیقتاً اختلاف نظر کا جھگڑا ہے۔ حضرت امام مالکؒ کسی اور نظریہ سے بیان کرتے تھے جبکہ والیٔ مدینہ کچھ اور نظریہ رکھتے تھے چنانچہ حاکم مدینہ اور بوجعفر نے سمجھا کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں فتنہ ہے یا فتنہ کی ترغیب ہے اور اس سے آپؒ کے مخالفین نے ناجائز اور غلط فائدہ اُٹھایا جبکہ حضرت امام مالکؒ نے یہ دیکھا کہ حدیث کا بیان کرنا علم کا بیان کرنا ہے۔ اس سے زیادہ آپؒ کا کوئی اور منشاء نہیں تھا۔ جب آپؒ نے اپنے درس کو اس بات سے پاک کرلیا تھا کہ اس میں فتنہ کا کوئی دروازہ کھلے تو اس بات سے بھی پاک کرلیا تھا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے میں کسی قسم کی بزدلی دکھائی جائے یا دنیا کا خیال رکھا جائے اور رب تعالیٰ کا دیا ہوا علم حاکم کی رضا اور خوشنودی کے لیئے چھپایا جائے۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے کسی قسم کے فتنہ کو قطعاً ہوا نہیں دی اور یہ بات علامہ ابن جریر طبری کے قول سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جب وہ لکھتے ہیں کہ ''حضرت امام مالکؒ خانہ نشین رہے۔'' گویا وہ لوگوں سے کٹ گئے تھے تاکہ فتنہ سے بالکل الگ رہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اہل مدینہ نے اتنے بڑے فقیہ اور امام وقت حضرت امام مالکؒ پر اتنی بڑی مصیبت کے نزول پر بنی عباس اور ان کے حاکموں پر سخت غصے کا اظہار کیا ہوگا۔ خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ حضرت امام مالکؒ مظلوم تھے۔ انہوں نے نہ فتنے کو بھڑکایا تھا نہ بغاوت کی تھی۔ اسی طرح انہوں نے نہ فتوے کی حد سے تجاوز کیا تھا۔ اور نہ ہی اپنے مسلک کو چھوڑا تھا۔ آپؒ نے زخموں کے مندمل ہونے اور تکلیف سے آرام پانے کے بعد پھر درس دینا شروع کردیا۔ اور اتنی بڑی تکلیف کے بعد بھی آپؒ نے اپنے درس میں کسی قسم کے فتنے یا فساد کی بات تک نہ کی۔ اس بات نے آپؒ کی عزت حاکموں میں بڑھا دی اور حکام اپنے کیئے پر ہمیشہ شرمندہ و نادم و افسردہ رہے۔ خاص طور پر ابوجعفر منصور تو از حد شرمسار تھا۔ ''المدارک'' صفحہ 293 پر حضرت امام مالکؒ کی اپنی زبانی حقیقت حال درج ہے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

''موسم حج کے موقع پر میری ملاقات ابو جعفر سے ہوئی تو اُس نے مجھے کہا کہ اللہ کی قسم! آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا اُس کا حکم میں نے نہیں دیا تھا اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہوا۔ اہل حرم میں آپ کا مجھے بے انتہا پاس ہے۔ اس لیئے میں نے حکم دے دیا ہے کہ حاکم مدینہ کو عراق تک گدھے پر لایا جائے۔ میں نے اُس کو جیل خانے میں بند کر کے سخت ذلت میں رکھنے کا حکم صادر کیا ہے۔ اور جس قدر آپ کو تکلیف پہنچی ہے اس سے دوگنی اُسے سزا دوں گا۔''

منصور کے بعد جو خلفاء ہوئے وہ حضرت امام مالکؒ کو اُستاد سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ مہدی نے حضرت امام مالکؒ سے عرض کی ''حضرت! مجھے کچھ نصیحت فرمایئے'' آپؒ نے فرمایا:

''میں تمہیں صرف خدا سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں پر مہربانی کی نصیحت کرتا ہوں۔ اس لیئے کہ ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے۔ یہیں میری جائے مدفن ہے اور یہیں سے مجھے قیامت کے دن اُٹھنا ہے۔ اس کے باشندے میرے پڑوسی ہیں۔ میری اُمت پر یہ حق ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کرے۔ میں قیامت کے دن اُن کا شفیع اور گواہ بنوں گا۔''

حضرت امام مالکؒ اس بات سے سخت خفا ہوتے تھے کہ حکام کے قریب رہنے والے لوگ ان کی جھوٹی تعریفوں کے پُل باندھتے ہیں اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ اس سے بُرائی شکل بدل کر بھلائی بن جاتی ہے۔ آپ سمجھتے تھے کہ کوئی چیز حکام کو ارتکاب گناہ کے لیئے جھوٹے آدمی کی جھوٹی تعریف و توصیف سے زیادہ بُرائی پر

آمادہ کرنے والی نہیں ہوتی۔ یوں وہ خود کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی کمزوریاں اور برائیاں اُن کے سامنے نہیں آتیں نہ ہی اُن کی اصلاح ہوتی ہے بلکہ وہ مرشد کے ارشاد اور واعظ کے وعظ پر بھی کان نہیں دھرتے اور اپنی مستی میں مست غلطیوں پر غلطیاں دہرائے چلے جاتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ بڑے رعب و دبدبہ کے مالک تھے۔ ان کے سامنے کسی کو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زاہد خشک تھے بلکہ حسب موقع ظرافت اور خوش طبعی کا مظاہرہ بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام مالکؒ نے ایک جوان کو دیکھا جو اکڑ کر چل رہا تھا۔ حضرت امام مالکؒ بھی اُس کے قریب جا کر اُس کے شانہ بہ شانہ اُسی طرح چلنے لگے۔ پھر آپؒ نے اُس جوان سے پوچھا ''میاں! یہ بتاؤ کہ کیا میری چال تمہیں پسند ہے؟ کیا میں اچھی چال چل رہا ہوں؟'' اُس نے بے ساختہ کہا ''آپ کی چال ٹھیک نہیں ہے۔'' اس پر حضرت امام مالکؒ نے کہا ''میاں! پھر تم خود کیوں اس طرح چلتے ہو؟'' یہ سن کر اُس نوجوان نے اپنی چال درست کر لی۔

ابن مہدی نے ایک دفعہ حضرت امام مالکؒ سے کہا ''حضرت! مجھے مدینہ میں یہاں رہتے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ میرے گھر والوں پر کیا گزر رہی ہو گی؟'' حضرت امام مالکؒ نے مسکرا کر فرمایا ''بھتیجے! میرے بال بچے مجھ سے قریب ہیں مگر مجھے خبر نہیں کہ ان پر کیا گزر رہی ہے؟''

حضرت امام مالکؒ کی حسن ظرافت میں بھی مطالب و معانی پوشیدہ ہوتے تھے تاہم آپؒ کبھی کبھی حسن ظرافت سے کام لیتے تھے لیکن زیادہ وقت آپؒ سنجیدہ، متین، حلیم الطبع اور بردبار رہتے تھے۔

زبیری کہتے ہیں کہ ''میں نے حضرت امام مالکؒ سے کہا کہ جب میں لوگوں کو امر بالمعروف کرتا ہوں تو اُن میں سے کچھ لوگ میری بات مان لیتے ہیں اور کچھ لوگ مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ میری بُرائی کرتے ہیں اور میرے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں۔ ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

Marfat.com

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر تمہیں ڈر ہے اور تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں گزند پہنچائیں گے تو دل میں ان کی بُرائی سے بیزاری رکھو اور خاص طور پر نرمی اختیار کرو کیونکہ رب کائنات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ فرعون سے نرمی سے بات کریں۔ ایسی صورت میں سننے والا تمہاری بات پر دھیان دے گا اور اُس کو قبول کرے گا۔''

حضرت امام مالکؒ کی تعریف فقہائے رائے نے بھی اتنی ہی کی ہے جتنی علماء حدیث نے کی ہے۔ دونوں فرقوں میں حضرت امام مالکؒ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے ہم عصر سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں:

''اللہ امام مالکؒ پر رحم فرمائے۔ رجال کے انتخاب میں بہت سخت تھے''

اللیث بن سعد فرماتے ہیں:

''امام مالکؒ کا علم عمدہ مصفیٰ علم ہے''۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''جب تمہارے پاس امام مالک سے کوئی حدیث آئے تو اس پر مضبوط ہو جاؤ۔ کوئی شخص علم میں امام مالک کے علم کو نہیں پہنچ سکا۔ جو شخص صحیح حدیث حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیئے ضروری ہے کہ حضرت امام مالک سے حاصل کرے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

''امام مالکؒ اہل علم کے سرداروں میں سے ایک ہیں۔ وہ حدیث اور فقہ میں امام ہیں۔ کوئی ان کا مثل نہیں ہے۔ آپ عقل و ادب میں کامل ہیں۔''

عبدالرحمٰن بن مہدی کا فرمان ہے:

''امام مالک سنت اور حدیث دونوں میں امام ہیں۔''

حضرت امام مالکؒ علم کے حصول میں حد درجہ اخلاص کے قائل تھے۔ آپؒ کا اعتقاد تھا کہ علم کو نور اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان کا دل تقویٰ اور اخلاص سے مزین و منور نہ ہو جائے۔ آپؒ کا یہ قول ضرب المثل کی صورت بہت مشہور و مقبول ہے کہ ''علم نور ہے جو متقی اور خوف خدا رکھنے والے دل میں چمکتا ہے۔''

Marfat.com

حضرت امام مالکؒ اس بات کی تبلیغ کرتے تھے کہ اخلاص، ترکِ لذائذ دنیا اور ترکِ خواہشات نفسانی سے طالب علم کے لیئے حصول علم کی راہ روشن ہو جاتی ہے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے ''جس نے دنیا میں زہد اختیار کیا اللہ نے اُسے حکمتِ تام دی۔'' ایک دفعہ آپؒ نے اپنے شاگرد ابن وہب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر تم نے یہ ارادہ کیا کہ اللہ کے لیئے علم حاصل کرو تو تمہیں وہ حاصل ہوگا جس سے تم فائدہ اُٹھاؤ گے اور اگر حصول علم سے تمہارا مقصد و محور دنیا داری اور دنیاوی مفاد ہے تو تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔'' (المدارک)

حضرت امام مالکؒ نے اخلاص میں کمال کے حصول کی خاطر کچھ باتوں کو لازم کر لیا تھا اور کچھ کو ترک کر دیا تھا۔ آپؒ نے جن باتوں کو لازم کر لیا تھا اُن میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ظاہر، واضح اور بیّن امور تھے۔ آپؒ اکثر فرماتے تھے کہ:

''اچھے کام وہ ہیں جو ہمارے سامنے روشن ہیں۔ اگر تم دو باتوں میں کسی قسم کا شک محسوس کرو تو وہ بات لے لو جو اُن میں زیادہ معتبر اور قابل قبول ہے۔''

حضرت امام مالکؒ فتویٰ دینے میں بڑی محنت اور غور و فکر سے کام لیتے تھے۔ جلد بازی مطلقاً نہیں کرتے تھے۔ اس لیئے کہ فتویٰ میں جلد بازی سے غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔ آپؒ نے ایک دفعہ فرمایا:

''میں ایک مسئلہ میں تقریباً دس سال سے سوچ رہا ہوں لیکن ابھی تک اس میں حتمی رائے قائم نہیں کر سکا۔''

آپؒ کہا کرتے تھے کہ ''اکثر مجھے ایسے مسائل پیش آ جاتے ہیں کہ میں ایک سال کی راتیں ان کی سوچ میں گزار دیتا ہوں'' ابن حکم کا بیان ہے کہ حضرت امام مالکؒ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپؒ سائل سے کہتے ''آپ ابھی تشریف لے جایئے۔ میں اس پر مکمل غور کر لوں تو پھر آپ کو جواب دوں گا۔'' پھر آپؒ اس مسئلہ کے بارے میں فکر مند رہتے۔ ایک دن آپؒ کے پاس ایک سائل آیا اور مسئلہ پوچھا۔ وہ کہنے لگا ''یہ

تو ایک معمولی مسئلہ ہے۔" آپؒ نے فرمایا "علم میں کوئی چیز معمولی نہیں ہے۔"

حضرت امام مالکؒ کو رب رحمٰن ورحیم کی طرف سے ذہانت وفراست کا وافر حصہ عطا ہوا تھا۔ آپؒ مختلف امور کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ لوگوں کے بدن کی حرکات اور اقوال کے لحن سے دل کی بات کا بحسن وخوبی اندازہ کر لیتے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں:

> "میں جب مدینہ منورہ گیا اور حضرت امام مالکؒ سے ملا، تو انہوں نے میرا کلام سنا۔ میری طرف تھوڑی دیر دیکھا۔ ان میں بڑی فراست تھی۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا "تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے بتایا "محمد" انہوں نے فرمایا "اے محمد! خدا سے ڈرو۔ گناہوں سے بچو۔ عنقریب تمہاری شان بلند ہو گی۔"

حضرت امام مالکؒ علم کی تجدید وتقسیم کے لیئے علماء سے خط وکتابت اور مراسلت جاری وساری رکھتے تھے۔ ان خطوط میں دو خطوط خاص طور پر محفوظ ہیں اور تاریخ کا حصہ ہیں۔ ایک خط وہ ہے جو حضرت امام مالکؒ نے حضرت اللیث بن سعد کے نام تحریر کیا اور دوسرا وہ خط ہے جو حضرت اللیث بن سعد نے حضرت امام مالکؒ کے خط کے جواب میں انہیں لکھا۔

حضرت امام مالکؒ نے حضرت اللیث بن سعد کے نام خط میں جو کچھ تحریر کیا اُس کے متن میں سے چند اقتباسات یہ ہیں:

> "منجانب مالک بن انس بطرف اللیث بن سعد - السلام علیکم میں رب تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ظاہر وباطن میں مجھے اور آپ کو اپنی طاعت کی حفاظت میں رکھے اور ہمیں بُرائی سے بچائے۔"
>
> "مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم لوگوں کو اس کے خلاف فتوے دیتے

Marfat.com

ہو جو ہم لوگوں کا مسلک ہے اور جس پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔
تمہیں اپنے شہر میں بلند مقام حاصل ہے۔ بہت لوگ
تمہارے ضرورت مند ہیں۔ تم امین ہو۔ جو تم کہتے ہو اُس پر
لوگوں کا کامل اعتماد ہے۔ تمہارے لیئے ضروری ہے کہ دل
میں خوف رکھو اور صرف اسی بات کی پیروی کرو جو تمہاری
نجات کا باعث ہو۔"

"بے شک لوگ اہل مدینہ کا اتباع کرتے ہیں۔ مدینہ کی
طرف ہجرت ہوئی اور مدینہ میں قرآن نازل ہوا۔ یہیں اللہ
نے حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا۔ ان لوگوں کو آنحضور صلی
اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے تھے اور یہ پیروی کرتے تھے یہاں تک
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد یہ
ہوا کہ لوگ آپ کی اُمت میں اس کی پیروی کرنے لگے جو
صاحب امر ہوا۔"

"پھر اس کے بعد تابعین کا دور آیا۔ وہ بھی اسی مسلک پر چلتے
رہے۔ لہٰذا تم غور کرو اور میرے خط پر فکر کرو۔ اللہ مجھے اور
تمہیں اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام معاملات
میں اطاعت کی توفیق دے۔"

اس خط کے جواب میں اللیث بن سعد نے حضرت امام مالکؒ کو ایک تفصیلی خط
لکھا جس کے اہم نکات یہ تھے:

"السلام علیکم۔ میں رب تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں کہ اس کے
سوا کوئی معبود نہیں۔ خدا ہمیں اور آپ کو معاف کرے اور دین
و دنیا میں انجام بخیر کرے۔ مجھے آپ کا خط ملا جس میں آپ
نے حال کی اصلاح کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے اپنے مسلک

Marfat.com

کا ذکر کیا ہے۔ خدا اُس پر آپ کا خاتمہ کرے۔ یہ ہمیں آپ
نے پہنچایا خدا آپ کو اس کی جزا دے۔"
"آپ کی جو نصیحت مجھے ملی ہے اور آپ نے امید کی ہے کہ
میرے نزدیک اس کا مقام ہوگا۔ آپ کی رائے مجھے پسند ہے
ورنہ میں اس قسم کی باتیں آپ سے بیان نہ کرتا۔ آپ کو معلوم
ہوا ہے کہ میں اہل مدینہ کے مسلک کے خلاف معاملات میں
فتوے دیتا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ جو بزرگ مجھ سے پہلے فتویٰ
دے چکے ہیں ان پر مجھے اعتماد ہے اور میں دل میں اس بات
کا بڑا خیال رکھتا ہوں۔ بے شک لوگ اہل مدینہ کی پیروی
کرتے ہیں کہ جہاں ہجرت ہوئی ہے اور جہاں قرآن اُترا
ہے۔ اس ضمن میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ بالکل صحیح سمجھتا
ہوں۔ مجھ سے وہی باتیں صادر ہوئی ہیں جو آپ پسند کرتے
ہیں۔ گزشتہ علماء اہل مدینہ کو بڑی فضیلت حاصل ہے اور ان
کے متفق علیہ فتوؤں پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"
"میں آپ کو بہت پسند کرتا ہوں۔ اللہ کی توفیق آپ کے
ساتھ ہو۔ خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے۔ میں آمیں مخلوق
کے لیئے بھلائی کی توقع رکھتا ہوں۔ اگرچہ آپ بہت دُور ہیں
لیکن آپ کا مرتبہ مجھ سے قریب ہے۔ آپ کی رائے کا
میرے لیئے بلند مقام ہے۔ میں اس پر یقین رکھتا ہوں۔
آپ اپنی مراسلت جاری رکھیں اور اپنا حال بتاتے رہیں۔ ہم
لوگ صالح ہیں۔ معافی چاہنے والے ہیں۔ والسلام علیک
ورحمۃ اللہ"

حضرت امام مالکؒ کی فقہی و دینی مسائل کے حوالے سے خط و کتابت دوسرے
علماء کرام سے بھی جاری رہتی تھی جس کا مقصد صرف اور صرف اصلاح احوال تھا۔ آپؒ

ہر قسم کے تبلیغی ذرائع سے دین اسلام کے مسائل اور ان کے حل لوگوں تک پہنچانے کے قائل تھے مگر آپؒ یہ بھی کہتے تھے کہ:

''عالم نے جو کچھ سیکھا ہے اُسے وہ سب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ اسی قدر بیان کرے جتنا مفید ہے اور جس کی سامعین طاقت رکھتے ہیں اور ان کے نفوس اس سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ عالم کو عاقبت اندیش ہونا چاہیئے وہ صرف باتوں کو بیان کر دینے والا نہ ہو۔''

حضرت امام مالکؒ ایسی نصیحتیں اس لیئے کرتے تھے کیونکہ آپؒ کا زمانہ دینی علوم کے حوالے سے ترقی پذیر تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں علم سن کر حاصل کیا جاتا تھا کتب میں مدون نہیں ہوا تھا۔ پھر جب لوگوں میں سے ایک گروہ مختلف علوم کی تعلیم کے لیئے وقف ہو گیا تو اموی دور کے آخر زمانہ میں علماء تدوین کی طرف متوجہ ہوئے اور علوم میں امتیاز حاصل کرنا شروع کیا چنانچہ ہر علم کے مخصوص عالم ہو گئے جو اسی کے لیئے مشہور تھے اور اسی علم میں ہی غور و فکر کرتے تھے۔ اس کے قواعد و ضوابط مقرر کرتے تھے۔ پھر جب عباسی دور آیا تو حدیث میں ترتیب و تدوین اور فقہ کے لحاظ سے ترقی کی دنیا وسیع ہو گئی اور یہی وہ دور تھا جس میں حضرت امام مالکؒ نے ہمہ قسم کے دینی و فقہی علوم کی ترویج و اشاعت جاری رکھی۔

اگرچہ حضرت امام مالکؒ کا زمانہ ایسا تھا جس میں سیاسی اضطراب اور ایک عجیب قسم کی حکومتی بے چینی تھی لیکن حضرت امام مالکؒ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ وہ سیاست سے دُور رہیں اور اہل فکر و عمل سے رابطے استوار رکھیں۔ آپؒ کے زمانہ میں صحابی اور تابعی کے فتویٰ کے متعلق مناقشات شروع ہو گئے تھے اور یہ کہ فقہی استنباط میں دونوں میں کون اہم ہے تاہم حضرت امام مالکؒ اس مسلک پر چلتے تھے جس پر اہل مدینہ ہیں اور اسے اپنے اصول کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ اپنے درس میں اسی کی تلقین کرتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ محدث تھے، فقیہ تھے۔ آپؒ قرآن و سنت کے علاوہ علم نہیں مانتے تھے۔ آپؒ نے جو کچھ احادیث اور آثار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا

Marfat.com

اُسی پر عمل کرتے تھے۔ فقہ میں امام تھے۔ قرآن و سنت کو مرکز بنا کر چلتے تھے اور انہیں کی روشنی میں فیصلے کرتے تھے۔ دوسروں کی آراء کا اپنی رائے سے موازنہ کرتے تھے۔ قرآن پاک سے استنباط کرتے تھے اور اسمیں نہ پاتے تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔ پھر اقوال سلف کو دیکھتے۔ اُن کے فیصلوں پر غور کرتے اور ان سے اصول کا استخراج فرماتے۔ جو کچھ آپؒ نے حاصل کیا تھا اس کی روشنی میں تدریس و ترویج کرتے تھے۔ آپؒ کی عقل معاملے کی تہہ تک پہنچنے والی اور آپؒ کی بصیرت نفوذ کرنے والی تھی۔ آپؒ اس مکتبۂ فکر کے ماننے والوں میں نہیں تھے جو اپنے علم پر تکیہ کر کے علم سلف پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔ آپؒ اہل ہوس کو تعلیم نہیں دیتے تھے۔

درحقیقت مدینہ کے علم سے حضرت امام مالکؒ کو محبت تھی اور یہ مدنی علم دراصل علم حدیث ہے اور علم فقہ کی بنیاد اس ورثہ پر ہے جسے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین نے چھوڑا۔ آپؒ ہمیشہ منازعات سے دُور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپؒ اکثر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول بیان کیا کرتے تھے اور اسے حفظ کراتے تھے اور سنت کی فضیلت میں اسے برمحل سمجھتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول یہ ہے کہ:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، آپ کے بعد آپ کے خلفاء کی سنت اختیار کرنا ہمارے لیئے کتاب اللہ کی اتباع ہے۔ اللہ کی طاعت کی تکمیل کرنا ہے۔ اللہ کے دین کو تقویت دینا ہے اس کے بعد کسی کو اسمیں تبدیلی کا اختیار نہیں ہے۔ جس نے اس سے ہدایت پائی وہ کامیاب ہے جس نے اس سے مدد حاصل کی وہ فتح مند ہے جس نے اسے چھوڑ دیا اُس نے مومنین کے خلاف راہ کی پیروی کی۔ اللہ سے وہ پھر گیا۔ اللہ اُس سے پھر گیا۔ اس کا مقام جہنم ہے اور یہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔''

حضرت امام مالکؒ کی رائے تھی کہ ایمان محض قول نہیں ہے بلکہ قول اور عمل کا مجموعہ ہے۔ آپؒ کی رائے تھی کہ طاعات ایمان کا جزو ہے لہٰذا قیام نماز میں ایمان ہے۔

Marfat.com

آپؒ اس کی دلیل یہ دیتے تھے کہ نماز پہلے بیت المقدس کی طرف تھی پھر بیت الحرام کی طرف ہوگئی تو بعض مومنین کو خدشہ ہوا کہ ان کی سابقہ نمازیں ضائع نہ ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرتا ہے۔'' اس میں صاف اور واضح الفاظ میں نماز کے ایمان ہونے پر دلیل موجود ہے اور چونکہ نماز ایک فعل ہے لہٰذا ایمان قول کے ساتھ ساتھ فعل بھی ہوا۔

حضرت امام مالکؒ اسلام کے پہلے مؤلف ہیں اور آپؒ کی کتاب ''مؤطا'' سب سے پہلی مشہور تالیف ہے اس لحاظ سے حضرت امام مالکؒ پہلے مؤلف شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اسلام میں تدوین و تالیف کی۔ (محمد ابوزہرہ) حدیث اور فقہ میں کوئی مدون و مرتب تاریخ حفظ نہیں ہوئی تھی جسے لوگ ''مؤطا'' سے پہلے زمانہ میں پڑھا کرتے ہوں۔ لیکن حضرت امام مالکؒ کے زمانہ میں تالیف کا کام شروع ہوگیا تھا۔ حضرت امام مالکؒ نے ''موطا'' کی تدوین میں بہت زیادہ عرصہ لگایا اور اس کی جستجو میں کافی وقت صرف کیا۔ اگرچہ اس کے لیئے فرمائش ابوجعفر منصور نے تقریباً 148 ہجری میں کی تھی مگر یہ لوگوں کے ہاتھوں میں تقریباً 159 ہجری میں آئی یعنی حضرت امام مالکؒ نے ''موطا'' کے جمع کرنے اور اس کی درستی میں تقریباً گیارہ سال صرف کیئے۔

حضرت امام مالکؒ تحقیق و تنقید احادیث میں راویوں کے احوال کی تحقیق کرتے ہیں اور ان کا پورا سراغ لگاتے ہیں۔ آپؒ نقد رجال میں مشہور ہیں اور حدیث کو بیان کرنے والے کی سمجھ کی تنقید میں مشہور ہیں۔ اسی طرح حدیث کو قرآن کے ساتھ موازنہ کرنے میں اور مشہور سنت کے پرکھنے میں مشہور ہیں اور اس میں ماہر ہیں جس پر اہل مدینہ نے اجماع کیا ہو۔ اور شاید حضرت امام مالکؒ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے رجال حدیث کی تنقید میں اور ان کے مطالعہ میں پوری توجہ مبذول کی۔ آپؒ نے راویوں کے لیئے شرائط مقرر کیں چنانچہ حضرت امام مالکؒ صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کرتے کہ راوی عادل ہے، یاد رکھنے والا ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ راوی جو کچھ بیان کرتا ہے اس کی حیثیت اور اہمیت سے باخبر ہو اور جس سے بیان کرتا ہے اس کی حیثیتِ علم سے بھی واقف ہو اور جس سے اس نے نقل کیا ہے اس کے حال سے بھی پوری واقفیت رکھتا

Marfat.com

ہو۔اسی لیئے حضرت امام مالکؒ بہت سے آدمیوں کی حدیث لینے سے انکار کردیتے تھے اور صرف اُن سے احادیث لیتے تھے جواُن کی وضع کردہ شرائط پر پورا اُترتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ کی نمایاں خوبیوں میں سے ایک منفرد خوبی اُن کے شاگردوں کی کثرت ہے۔حضرت امام مالکؒ سے پہلے کسی امام کا پتہ نہیں چلتا جس کے اس قدر کثیر تعداد میں شاگرد ہوں اور مختلف دُور دراز ملکوں تک پھیلے ہوئے ہوں۔آپؒ کے شاگرد خراسان، عراق، شام، مدینہ، مصر، شمالی افریقہ اور بلاد مغرب وغیرہ کے ہوتے تھے۔

آپؒ کے شاگردوں کی کثرت کا سبب یہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ حجاز میں مقیم تھے اور خاص طور پر مدینہ منورہ میں آپؒ کا قیام رہتا تھا۔آپؒ زیادہ تر وہیں رہے صرف حج کے لیئے باہر تشریف لے جاتے تھے۔مدینہ منورہ چونکہ نبی رُحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے۔یہاں لوگ حج بیت اللہ کے بعد کثیر تعداد میں زیارت کیلیئے آتے تھے اور دُور دراز ملکوں سے آتے تھے اس لیئے تمام اسلامی ملکوں کے اہل علم حضرت امام مالکؒ سے آکر ملتے تھے اور ہمیشہ ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا تھا۔مزید یہ کہ رب قادر و قدیر نے آپؒ کی عمر مبارک میں برکت دی تھی۔آپؒ نے طویل عمر پائی۔آپؒ تقریباً 86 برس بقید حیات رہے۔اس طرح آپؒ کے درس کی مدت تقریباً ساٹھ سال بنتی ہے۔ اس طرح آپؒ کے شاگردوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ دراضافہ ہوتا رہا۔

شاگردوں کی تعداد کی کثرت کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ حضرت امام مالکؒ کے طریق، مذہب اور آپؒ کی فقہ دُور دراز کے ملکوں میں اشاعت پذیر ہوئی۔آپؒ کے مشہور تلامذہ میں حضرت عبداللہ بن وہب، حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم، حضرت اشہب بن عبدالعزیز، حضرت اسد بن الفرات بن سنان، حضرت عبدالملک بن الماجشون، حضرت عبداللہ بن عبدالحکیم ابن ایمن اور حضرت عبدالملک بن حبیب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت امام مالکؒ فقہ حنفیؒ کی طرح عرف کو تسلیم کرتے تھے۔عرف وہ ہے جس پر اپنی زندگی گزارنے کے لیئے لوگوں کی جماعت متفق ہو جائے۔جب کوئی جماعت کسی

امر کی عادی ہو جاتی ہے تو وہ ان کا عرف ہو جاتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اصول فقہ میں عرف کو ایک اصول کے طور پر مانتے تھے۔

عرف کا فقہ مالکیؒ میں بہت بڑا مقام ہے یہ الفاظ کی تفسیر کرتا ہے مگر عرف کے ساتھ ساتھ اجتہاد اور تخریج پر بھی توجہ لازم ہے۔ مذہب کی ترقی، فقہ کی وسعت اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیئے اجتہاد از حد ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مفتی حضرات مختلف اجتماعی مسائل کے لیئے آزمائش کریں اور مختلف عرفوں کو جانیں۔ اس لیئے کہ یہ مختلف عرف اور قسم قسم کے اجتماعی مسائل فقیہ کے لیئے غور وفکر اور سوچ و بچار کا باعث بنتے ہیں۔ مذہب مالکیؒ میں ایسے تمام عناصر جمع ہو گئے ہیں کہ جس سے قوت، وسعت اور نتائج کے اسباب کافی حد تک موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ممالک میں مذہب مالکی کی بنیاد پر شرعی احکام جاری تھے یہاں تک کہ اس کی ابتداء حضرت امام مالکؒ کی زندگی ہی میں ہو گئی تھی چنانچہ اندلس اور مغرب میں فقہ مالکی پر احکام جاری تھے۔ مصر میں بھی اس مذہب کا بلند مقام تھا۔

مذہب مالکیؒ پر جن ملکوں میں حکم جاری کیا جاتا تھا ان کی بہت وسعت ہو گئی جبکہ ان کے احوال مختلف تھے۔ ان کے عرف الگ الگ تھے۔ چنانچہ اندلس میں عمرانیات و تمدن میں، علمیت و مدنیت میں، فلسفہ اور حکمت میں مذہب مالکیؒ جاری تھا۔ اس مذہب میں ایسے بڑے بڑے فقہا ہوئے ہیں جن میں عمیق فقہ، فلسفہ اور حکمت سب جمع ہو گئے تھے۔

مختلف ممالک میں خاندانوں، اقلیموں اور عرفوں کے اختلاف کی وجہ سے وہاں کے علماء کے احکام بھی اس کے مطابق ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب مالکیؒ میں اقوال کی کثرت ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ جو مذہب ترقی پذیر ہو اس میں اقوال کی کثرت ایک بنیادی امر ہے۔ مالکیؒ مذہب آج بھی دنیا کے کئی ممالک میں اپنے پیروکاروں کے ساتھ زندہ ہے اور وہ اس کی ترویج و ترقی کے لیئے مستعد رہتے ہیں۔

← حضرت امام مالکؒ زندگی کے آخری سالوں میں تقریباً گوشہ نشین ہو گئے تھے حتیٰ کہ جمعہ و جماعت کے لیئے بھی باہر نہیں آسکتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کھل کر اپنا

Marfat.com

عذر بیان نہیں کرسکتا۔ اس کے باوجود آپؒ کی مقبولیت اور عزت و وقعت میں کوئی فرق نہ آیا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت امام مالکؒ 22 دن بیمار رہے۔ بالآخر 14/ربیع الاوّل 179 ہجری کو خالق حقیقی کے حضور حاضری دے دی۔ وصیت کے مطابق سفید کپڑے کا کفن دیا گیا۔ اور امیر مدینہ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ انتقال سے پہلے تشہد پڑھا اور پھر کہا کہ للہ الامر من قبل ومن بعد -- اور پھر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ

مؤرخین فقہاء کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ حضرت امام شافعیؒ ایک قرشی مطلبی ہاشمی والد کے فرزند ارجمند تھے۔ چنانچہ آپؒ کا سلسلۂ نسب یہ بیان کیا جاتا ہے:

محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف (تاریخ بغداد جلد دوم صفحہ 57)

گویا عبد مناف پر آ کر حضرت امام شافعیؒ کا سلسلۂ نسب سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عبداللہ بن الحسین بن الحسن بن علی بن ابی طالب (بروایت الحاکم ابو عبداللہ الحافظ) مگر خطیب بغدادی، قاضی عیاض اور دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی والدہ ماجدہ قبیلہ بنو ازد سے تھیں جن کے بارے میں ہادیٔ کون و مکاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ازد، عرب کے عنصر ہیں۔

(تاریخ بغداد جلد دوم صفحہ 58، ترتیب المدارک جلد اوّل صفحہ 382، تہذیب التہذیب جلد نہم صفحہ 29)

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کا بیان ہے کہ ''میں 150 ہجری میں ملک شام کے شہر غزہ میں پیدا ہوا اور 2 سال کی عمر میں مکہ معظمہ لایا گیا۔'' یہ روایت زیادہ مشہور اور

Marfat.com

معتبر سمجھی جاتی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''میں عسقلان میں پیدا ہوا اور 2 سال کا ہوا تو میری والدہ مجھے لے کر مکہ معظمہ پہنچیں۔'' ایک روایت یہ بھی ہے کہ ''میں یمن میں پیدا ہوا۔ دس سال کی عمر میں والدہ مجھے مکہ معظمہ لائیں۔''

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ ''جس زمانہ میں حضرت امام شافعی ابھی شکم ہی میں تھے کہ میں نے خواب دیکھا کہ مشتری سیارہ میرے جسم سے نکلا اور مصر میں گرا جس کی روشنی ہر شہر میں پہنچی۔ معبروں نے بتایا کہ میرے بطن سے ایک عالم پیدا ہوگا جس کا علم مصر کے تمام شہروں میں عام ہوگا۔

(تاریخ بغداد جلد دوم، صفحہ 60، تہذیب التہذیب جلد نہم صفحہ 26)

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ یتیم تھے۔ جلد ہی آپؒ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی والدہ 2 سال کی عمر میں ہی آپؒ کو مکہ معظمہ لے آئیں۔ آپؒ نے بچپن میں دو باتوں کی طرف قدرے زیادہ توجہ دی۔ ایک تحصیل علم، دوسرا تیراندازی۔ حضرت امام شافعیؒ خود بیان کرتے ہیں کہ ''میں تیراندازی میں اتنا ماہر ہوگیا تھا کہ میرے لگائے ہوئے دس نشانوں میں دس نشانے ہی صحیح بیٹھتے تھے۔''

گھڑسواری کا شوق بھی آپؒ کو بچپن ہی سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے تیراندازی و شہ سواری کے موضوع پر کتاب السبق والرمی لکھی جو اپنے موضوع و مواد کے اعتبار سے پہلی کتاب تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد نہم صفحہ 31) تیراندازی اور گھڑسواری تو محض آپؒ کے شوق تھے مگر آپؒ کا زیادہ تر وقت تحصیل علم میں انتہائی انہماک و اشتیاق کے ساتھ گزرتا تھا۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے سر پر چونکہ والد کا سایہ نہیں تھا اس لیئے آپؒ نے انتہائی عسرت اور غربت کے دن گزارے۔ آپؒ اپنے زمانہ طالب علمی کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''میں یتیم تھا۔ میری والدہ میری کفالت کرتی تھیں۔ میرے پاس معلم کی خدمت کیلئے رقم نہیں تھی مگر ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ معلم صاحب اس کے بغیر پڑھانے پر راضی ہو گئے۔

Marfat.com

> وہ بچوں کو جو سبق دیتے تھے میں اُسے زبانی یاد کر لیتا تھا اور اُن کی عدم موجودگی میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ میری اس بات سے میرے معلم بہت خوش ہوئے اور یوں وہ مجھے بغیر خدمت کے مفت تعلیم دینے پر راضی ہو گئے۔''

حضرت امام شافعیؒ نے مکتبی تعلیم کے بعد قبیلہ بنی ہذیل میں رہ کر عربیت اور اشعار عرب میں مہارت حاصل کی۔ حضرت امام شافعیؒ اس ضمن میں خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ''میں مکہ معظمہ سے نکلا اور بادیہ میں قبیلہ ہذیل سے وابستہ ہو گیا۔ میں نے ان کا طرز کلام سیکھا۔ ان کے مزاج و عادات سے واقفیت حاصل کی۔ یہ قبیلہ اپنی زبان دانی کے اعتبار سے افصح العرب تھا۔ میں اس قبیلہ کے ساتھ کوچ کرتا۔ جہاں وہ منزل کرتا میں بھی اُتر پڑتا۔ پھر جب میں مکہ معظمہ واپس پہنچا تو نشید اشعار میں کامل ہو چکا تھا۔ آداب و اخبار سے مکمل واقفیت حاصل کر چکا تھا۔''

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے قبیلہ بنی ہذیل میں رہ کر اشعار و اخبار میں اتنا کمال حاصل کر لیا تھا کہ ادب و لغت میں یگانہ شاعر اصمعی بھی حضرت امام شافعیؒ کے بارے میں کہتا ہے کہ:

> ''میں اشعار و اخبار کی تصحیح قریش کے ایک نوجوان سے کر لیا کرتا ہوں جس کا نام محمد بن ادریس ہے۔''

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے مختلف علوم و مہارتوں کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنے چچا محمد بن شافع اور مسلم بن خالد زنجی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔ آپؒ خود فرماتے ہیں کہ:

> ''میں علماء کی مجلس درس میں احادیث اور مسائل سن کر یاد کر لیتا تھا۔ چونکہ والدہ محترمہ کے پاس مجھے دینے کے لیئے اتنے

Marfat.com

پیسے نہیں ہوتے تھے کہ میں کاغذ خرید سکوں اس لیئے ہڈیاں
اور کھجور کے پتے استعمال کرتا تھا اور ان ہی پر لکھ کر محفوظ کرلیا
کرتا تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک اس طرح یاد کر
لیا تھا کہ اس کے تمام معانی و مطالب مجھ پر عیاں ہو گئے
تھے۔ اور دس سال کی عمر میں مؤطا امام مالک یاد کر لی تھی۔
(تاریخ بغداد جلد دوم صفحہ 59، ترتیب المدارک جلد اول،
صفحہ 383، تہذیب التہذیب جلد نہم صفحہ 27)

مؤطا امام مالک کے مطالعہ اور حفظ ہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت امام شافعیؒ کو حضرت امام مالکؒ سے کسب فیض کا شوق پیدا ہوا۔ فقہ مالکؒ اور روایات احادیث رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشتیاق حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ لے گیا حالانکہ مسلم بن خالد زنگی نے حضرت امام شافعیؒ کے علمی وفقہی مرتبہ کو دیکھتے ہوئے انہیں فتویٰ دینے کی اجازت دے دی تھی اور کہا تھا کہ ''اے ابوعبداللہ! تم فتویٰ دے سکتے ہو۔ یہ ذمہ داری تمہیں بجتی ہے۔'' اور اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ بلاشبہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے فقہ وحدیث میں کمال حاصل کرلیا تھا کہ مسند افتاء پر سجتے تھے مگر طلب علم کا شوق انہیں حضرت امام مالکؒ کی طرف کھینچ رہا تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ خود فرماتے ہیں کہ:

''میں نے امیر مکہ معظمہ سے ایک سفارشی خط حضرت امام مالکؒ کے نام اور ایک خط امیر مدینہ منورہ کے نام لیا اور مدینہ منورہ پہنچا۔ میں نے امیر مدینہ منورہ کو امیر مکہ معظمہ کا خط دے کر کہا کہ ''آپ یہ خط کسی کے ذریعے حضرت امام مالکؒ تک پہنچا کر اُن کو بلائیں اور میرے بارے میں سفارش کریں کہ وہ مجھے حلقۂ درس میں شامل کر کے اپنی شاگردی میں لے لیں۔''

امیر مدینہ منورہ نے میری یہ تجویز سن کر کہا ''کیا ہی اچھا ہو کہ ہم خود آپ کے

ساتھ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کے دروازے پر اتنی دیر بیٹھیں کہ وادیٔ عقیق کا گرد وغبار ہم پر پڑے اور پھر اندر جانے کی اجازت ملے۔''

بہرحال نمازِ عصر کے بعد امیر مدینہ منورہ اپنے حشم و خدم کے ہمرکاب نکلا۔ میں بھی ساتھ تھا۔ ہم سب وادیٔ عقیق میں اس جگہ پہنچے جہاں حضرت امام مالکؒ کا مکان تھا۔ ہم نے حضرت امام مالکؒ کے مکان پر پہنچ کر ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک ملازمہ اندر سے آئی۔ امیر مدینہ منورہ نے اُس سے کہا ''حضرت امام مالکؒ سے کہہ دو کہ امیر مدینہ منورہ دروازے پر موجود ہیں۔'' یہ سن کر ملازمہ چلی گئی اور کافی دیر کے بعد واپس آئی تو اُس نے کہا:

''میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو رقعہ پر لکھ دیجیے۔ اس کا جواب مل جائے گا۔ اگر کسی حدیث کے بارے میں دریافت کرنا ہے تو آپ کو مجلس حدیث کا دن معلوم ہے لہٰذا تشریف لے جائیے۔''

والیٔ مدینہ منورہ نے ملازمہ سے کہا ''اپنے آقا سے جا کر ہماری طرف سے عرض کرو کہ ہم والیٔ مکہ معظمہ کا ایک نہایت ہی اہم خط لے کر حاضر ہوئے ہیں۔''

یہ سن کر وہ پھر چلی گئی۔ ذرا سی دیر میں ایک کرسی لے کر برآمد ہوئی۔ چند لمحوں پر حضرت امام مالکؒ تشریف لے آئے اور اُس کرسی پر بیٹھ گئے۔ والیٔ مدینہ منورہ نے والیٔ مکہ معظمہ کا خط حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت امام مالکؒ نے خط پڑھنا شروع کیا۔ خط پڑھتے پڑھتے جب اس مقام پر پہنچے کہ ''اس شائق علم سے گفتگو کر لیجیے۔ اس سے حسن سلوک کا برتاؤ کیجئے اور اس کی آرزو پوری کیجئے ....'' تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ''سبحان اللہ! رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اب وسیلوں اور سفارشوں سے حاصل کیا جانے لگا ہے!''

میں نے دیکھا کہ امیر مدینہ منورہ حضرت امام مالکؒ سے بات کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ خوف کے مارے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آخر میں خود آگے بڑھا اور میں نے عرض کی:

''یا حضرت! میں ایک مطلبی ہاشمی شخص ہوں۔ میرا یہ حال ہے

اور یہ کیفیت ہے کہ میں آپ ؒ کی شاگردی میں آنا چاہتا ہوں۔
آپ کا میرا اُستاد ہونا میرے لیئے باعث اعزاز و افتخار ہوگا۔"

حضرت امام مالکؒ نے میری درخواست سن کر ایک نظر مجھ پر ڈالی اور پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے عرض کی: "یا حضرت! میرا نام محمد ہے" یہ سن کر حضرت امام مالکؒ نے مجھ سے کہا:

"اے محمد! اللہ سے خوف کرو اور گناہوں سے بچو۔ تم ضرور
ایک دن مرتبہ رفعت پر پہنچو گے۔ ٹھیک ہے تم کل آنا اور اپنے
ساتھ ایسے آدمی کو لانا جو تمہارے لیئے مؤطا پڑھے۔"

میں نے کہا "یا حضرت! میں خود اس کی قرأت کروں گا۔ آدمی ساتھ لانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔" چونکہ مؤطا امام مالکؒ مجھے زبانی یاد تھی اس لیئے حضرت امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر میں موطا زبانی پڑھتا تھا جبکہ کتاب میرے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ بعض اوقات حضرت امام مالکؒ کی ہیبت سے پڑھنا بند کر دیتا تو آپؒ پڑھنے کی فرمائش کرتے۔ اس طرح میں حضرت امام مالکؒ کی رحلت تک مدینہ منورہ میں مقیم رہا۔" (مناقب الشافعیؒ)

حضرت امام مالکؒ کی مدنی درسگاہ میں رہ کر حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے دینی علوم میں مہارت حاصل کی۔ اب وہاں سے واپس مکہ معظمہ آئے تو ان کی علمی اور دینی فضیلت وعظمت کی شہرت عام ہو چکی تھی۔ اسی زمانہ میں یمن کا امیر مکہ مکرمہ آیا۔ حضرت امام شافعیؒ علم کی دولت سے مالا مال تھے لیکن معاشی حالت خستہ تر تھی۔ ان حالات میں قریش کے معززین شہر نے امیر یمن سے بات کی کہ وہ حضرت امام شافعیؒ کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ اس حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

"میری والدہ کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ یمن کے سفر کی تیاری
کر سکتا اور کپڑے وغیرہ بنوا سکتا۔ چنانچہ میں نے مجبوراً اپنی
والدہ کی ایک چادر 16 دینار میں رہن رکھ کر زادراہ مہیا کیا۔"

یمن پہنچ کر امیر یمن نے مجھے ایک مقام پر ایک ذمہ داری تفویض کر دی۔ میں نے نہایت احسن طریقہ سے اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی سرانجام دیئے۔ امیر یمن نے میری کارکردگی سے خوش ہو کر مجھے ترقی دی۔ چند روز بعد پھر میرے کام کو دیکھا تو پھر مزید ترقی کے احکامات صادر کئے۔ اس طرح میں نے حسن کارکردگی میں اچھی خاصی شہرت حاصل کر لی۔ اسی زمانہ میں رجب کے مہینہ میں یمن سے ایک وفد عمرہ کی ادائیگی کی غرض سے جب مکہ معظمہ پہنچا تو ان لوگوں نے مکہ معظمہ میں میرا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جس کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں میری تعریف ہونے لگی۔''

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے اس عمل سے اگرچہ بعض لوگوں نے اختلاف کیا تاہم آپؒ کے اس اقدام نے آپؒ کی ذکاوت و فراست، علم و فہم، وسعت نظر، شرافتِ نسب اور عالی ہمتی کو اور زیادہ اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ بیان کرتے ہیں کہ:

''یمن سے واپسی کے بعد میں سفیان بن عینیہ کے پاس گیا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے مجھے خندہ پیشانی کے ساتھ مرحبا کہا۔ محبت و شفقت سے پیش آئے اور کہا کہ ہمیں تمہارے امیر ہونے کی اطلاع مل گئی تھی البتہ تم نے یمن میں رہ کر علم دین کی اشاعت میں کوئی کردار ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اُس کو بحسن و خوبی سرانجام نہیں دیا۔ اب میرا مشورہ یہی ہے کہ دوبارہ وہاں نہ جانا۔'' (جامع بیان العلم جلد اوّل صفحہ 98)

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے یمن سے واپسی پر سفیان بن عینیہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے بغداد جا کر حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے فقہ کی تکمیل کی۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید اور انکے علم فقہ کے ترجمان و ناشر و مبلغ تھے۔ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ فرماتے ہیں:

''میں حضرت امام مالکؒ اور پھر حضرت امام محمد بن شیبانیؒ کے

Marfat.com

اُستاد ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔"

میں نے حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے ایک اونٹ کے بار برابر حدیث سنی ہے۔ اگر لوگ فقہاء کے بارے میں انصاف سے کام لیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ جیسا فقیہ نہیں دیکھا ہے۔

(اخبار ابی حنیفہ صفحہ 124، جامع بیان العلم جلد اوّل صفحہ 99)

حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ بھی اپنے ذہین و فطین شاگرد رشید حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کا احترام دل و جان سے کرتے تھے۔ علمی تعاون کے ساتھ ساتھ بوقت ضرورت مادی تعاون بھی کرتے تھے۔ ابو عبید راوی کا بیان ہے کہ "میں نے حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا جواب حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کو بہت پسند آیا تو انہوں نے لکھ لیا۔ اس پر حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے ان کی اس علمی طلب کو دیکھ کر 100 درہم دیا۔ اس واقعہ کے بعد میں نے حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نہ ہوتے تو میری زبان علم میں نہ کھلتی۔"

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صفحہ 125)

ابو حسان زیادی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کو اہل علم کی اتنی زیادہ تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی تعظیم وہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی کیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کہیں جانے کے لیئے سواری پر بیٹھ گئے تھے۔ سواری چلا ہی چاہتی تھی کہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ تشریف لے آئے۔ انہیں دیکھتے ہی حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ فوراً سواری سے اُتر آئے۔ سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کو لے کر گھر آ گئے اور رات گئے تک فقہی مسائل اور علمی گفتگو میں مصروف رہے۔ (ابن خلکان)

عالم کا مقام بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ وہ دوسروں کا رہبر و رہنما ہوتا ہے۔ غلط کاروں کو ٹوکتا ہے اور بھٹکے ہوؤں کو صحیح راہ دکھاتا ہے۔ وہ باغیوں اور سرکشوں کے سامنے سینہ تان کر ان کے غرور اور کبر و نخوت کو خاک میں ملاتا ہے۔ وہ حق اور سچ کی خاطر ہر

Marfat.com

خطرے کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار رہتا ہے اور حتیٰ کہ جان تک کی بازی لگانے سے دریغ نہیں کرتا۔ وہ جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو وجہ امتیاز اور دین اسلام کی سربلندی کی خاطر سر کٹانے کو باعث اعزاز سمجھتا ہے۔ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ انہی اصحاب ہمت و عزیمت اور حریت و جرأت میں سے تھے۔ اس کا عملی مظاہرہ آپؒ نے یمن میں قیام کے دوران بے مثل انداز میں کیا۔

حضرت امام شافعیؒ نے اپنا آخری تعلیمی سفر بغداد میں حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی درسگاہ پر ختم کیا اور یہاں پر ہی حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے اپنے اقوال اور فقہی آراء مرتب کیں جنہیں قول قدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے حضرت امام مالکؒ سے مؤطا کا سماع کیا جس سے حضرت امام مالکؒ خوش ہوئے۔ پھر حضرت امام شافعیؒ نے عراق جا کر حضرت محمد بن حسنؒ سے اہل مدینہ کے مذہب کے بارے میں بحث و مذاکرہ کیا اور وہیں اپنا قول قدیم مرتب کیا جو زعفرانی کی کتاب میں ہے۔'' (ترتیب المدارک صفحہ 385)

گو فقہ و اجتہاد میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے مسلک میں اختلاف و تفاوت ہے مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی فکر و حیات پر حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے گہرے نقوش ثبت ہیں جو صاف اور نمایاں نظر آتے ہیں۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے دو دفعہ بغداد پہنچ کر علم و معرفت کا نور بکھیرا۔ پہلی دفعہ آپؒ 195 ہجری میں بغداد تشریف لے گئے۔ ان کے قیام بغداد کے زمانہ میں ان کی مجلس میں ادباء و فضلاء کا اجتماع رہتا۔ لوگ ان کی فصاحت و بلاغت اور حسن بیان سے حظ اُٹھاتے اور فیض یاب ہوتے۔ دوسری دفعہ 198 ہجری میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ بغداد پہنچے اس وقت وہاں کی جامع مسجد میں 40، 50 علمی اور

Marfat.com

درس حلقے جاری تھے۔ آپؒ وہاں اپنی لیاقت و قابلیت کی بدولت ''ناصر الحدیث'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ (تاریخ بغداد جلد دوم صفحہ 69، ترتیب المدارک جلد اوّل صفحہ 386)

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے قیام بغداد کے زمانہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ انتہائی ادب و احترام اور شوق و ذوق کے ساتھ آپؒ سے تحصیل علم کرتے تھے۔ اور آپؒ کے ہر حلقۂ درس میں حاضر رہتے تھے۔ (تاریخ بغداد)

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بغداد میں علم و معرفت کی تکمیل و تحصیل کی اور اس زمانہ کے مشاہیر ائمہ علم و دین سے اکتساب فیض کیا۔ ان میں محمد بن علی بن شافع مکیؒ، مسلم بن خالد زنجی مکیؒ، ابراہیم بن ابو یحیٰؒ اسلمی مدنیؒ، سفیان بن عیینہ مکیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور اسمٰعیل بن علیہ بصری بغدادیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے نو عمری ہی میں فقہ و فتویٰ، حدیث و تفسیر، تعبیر رویا، ایام عرب، اشعار عرب، نحو و عربیت، تیراندازی اور شہ سواری میں شہرت و عزت اور ایک خاص مقام حاصل کر لیا تھا۔ اور ان کے شیوخ و اصحاب اور معاصرین ان کی علمیت و قابلیت اور ذکاوت و ذہانت کے قائل و معترف ہو گئے تھے۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے فقہ حجاز یا عراق کے اختلاف کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ کسی فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے قواعد استنباط کا استخراج کرنے کیلئے غور و فکر شروع کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنی تمام تر توجہ کتاب اللہ پر مرکوز کر دی تاکہ اس کے طریق دلالت کی معرفت حاصل کریں۔ اس کے احکام کو پہچانیں۔ ناسخ و منسوخ کا عرفان حاصل کریں۔ کتاب اللہ کے مطالعہ کے دوران انہوں نے ضروری اور اہم خصائص پیش نظر رکھے تاکہ معاملات کی تہہ تک پہنچ کر کامل عبور حاصل کیا جا سکے۔

کتاب الٰہی قرآن مجید کے عمیق مطالعہ کے بعد حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے سنت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ دی تاکہ آپ معلوم کر سکیں کہ علم شریعت کے ضمن میں اس کا مقام کیا ہے؟ صحیح اور سقیم کا عرفان کس طرح ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

سنت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کے کیا طریقے ہونا چاہئیں؟ قرآن مجید سے مقام سنت پر کیا روشنی پڑتی ہے؟

پھر حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے اس طرف توجہ دی کہ اگر کوئی حکم نہ ہی قرآن مجید میں ہو اور نہ ہی سنت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ ایسے مواقع پر ضوابطِ اجتہاد کیا ہونا چاہئیں؟ نیز یہ کہ ایک مجتہد کے لیئے کس طرح کی پابندیاں لازم ہیں کہ اجتہاد غلط روی سے محفوظ و مامون رہے؟

ان تمام عوامل پر مکمل اور مفصل غور وفکر کے بعد بالآخر حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ ایک نتیجہ پر پہنچ گئے اور اصول استنباط وضع کرنے کا طریقہ انہوں نے متعین کرلیا۔ اور اس سلسلے میں حضرت امام شافعیؒ نے جو پہلی کتاب لکھی وہ ''الرسالہ'' ہے جسمیں اصول فقہ کے بنیادی مہمات وضع کئے گئے ہیں۔ امام رازی ''مناقب الشافعیؒ'' میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ سے درخواست کی کہ ان کے لیئے ایک ایسی کتاب لکھ دیں جسمیں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے استدلال کی شرائط درج ہوں۔ نیز ناسخ ومنسوخ کا بیان بھی ہو۔ عموم وخصوص کے مراتب بھی ذکر کئے گئے ہوں۔ چنانچہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے ایک کتاب تحریر کی جس کا نام ''الرسالہ'' رکھا اور اسے عبدالرحمٰن کے پاس بھیج دیا۔ جب عبدالرحمٰن بن مہدی نے اسے پڑھا تو بے اختیار کہہ اُٹھا کہ ''میں اس کا وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ رب ذوالجلال نے ایسا بے ہمتا شخص بھی پیدا کیا ہے۔''

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں لکھیں اور متعدد رسالے تحریر کئے جن سے رجال فقہ نے استفادہ بھی کیا اور مجادلہ بھی۔ دراصل حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی حیات مبارکہ ایک ایسے پرزم کی مانند تھی جس سے

Marfat.com

علیت و موعظت کی حسین شعائیں قطار اندر قطار بکھرتی نظر آتی تھیں۔ ان کی تمام تر زندگی جہد مسلسل، سعی پیہم اور جہاد سے عبارت تھی۔ وہ نہ سیم و زر سے دلچسپی رکھتے تھے اور نہ مال و منال ان کی کمزوری تھی۔ تاہم انہیں قرآن و حدیث سے کمال درجے کا عشق تھا۔ وہ زندگی بھر اسی جادۂ مستقیم پر گامزن رہے اور اسی ہی کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے۔ انہوں نے حدیث نبوی اور آثار نبوی کی گرانقدر خدمت کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس حوالے سے ان کے ذخیرۂ تحریر کی جامعیت و افادیت مسلم اور مستند ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا پورے وثوق ، دلائل، براہین اور استدلال کے ساتھ لکھا۔ عرق ریزی، جانفشانی، جستجو، تحقیق اور استنباط ان کے طریقۂ علم و عمل کے خاص پہلو تھے۔ انہوں نے کوئی بھی بات جامعیت کی تمام تر رعنائیت کے بغیر نہیں کی تاہم وہ ہر مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ سے متفق نہیں تھے لیکن نقد و جرح سے اجتناب کرتے تھے۔ صرف اپنی آراء کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے تھے۔ کسی کی موافقت یا مخالفت سے پرہیز اُن کے حسن عمل کا خاصا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بعض اختلافات کے باوجود ان کا شمار برابر اصحاب مالکؒ میں ہوتا رہا۔

لیکن بالآخر وہ وقت بھی آیا جب حضرت امام شافعیؒ مجبور ہو گئے کہ وہ اپنے شیخ حضرت امام مالکؒ کے آراء و افکار پر نقد و جرح علی الاعلان آغاز کر دیں۔ ایسا انہیں اس لیئے کرنا پڑا کہ مسلمانوں میں بعض ایسے بھی نمودار ہونے لگے جو حضرت امام مالکؒ کے آثار و اخبار کو حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنے لگے۔ اس طرح حضرت امام مالکؒ کا قول، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معارض ہونے لگا تو حضرت امام شافعیؒ خاموش نہ رہ سکے کیونکہ کسی بھی شخص کا یہ منصب نہیں ہو سکتا کہ حدیث کے مقابلہ میں اس کی رائے کی کوئی حیثیت ہو۔

یہی وہ وقت تھا جب حضرت امام شافعیؒ نے اپنے لیئے ایک خاص راستہ متعین کر لیا۔ انہوں نے ''خلاف مالکؒ'' کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی۔ اور کافی سوچ بچار کے بعد اُسے منظر عام پر لے آئے۔ امام فخر الدین رازی اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ:

Marfat.com

''حضرت امام شافعیؒ نے حضرت امام مالکؒ پر جو کتاب لکھی اس کی وجہ یہ تھی کہ جب لوگ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے تو عقیدت مند یہ کہتے ''حضرت امام مالکؒ نے یہ کہا ہے۔'' حضرت امام شافعیؒ نے سوچا کہ حضرت امام مالکؒ بہرحال انسان تھے۔ ان سے غلطی کا ارتکاب بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے یہ کتاب بہت مجبور ہو کر لکھی ہے۔ سال بھر رب رحمٰن و رحیم سے استخارہ کرتا رہا ہوں تب یہ جرأت کی ہے۔''

دراصل حضرت امام شافعیؒ کا یہ اقدام محض اللہ کی خاطر تھا۔ وہ رضائے الٰہی چاہتے تھے۔ یہ بات ان پر ازحد گراں تھی کہ حضرت امام مالکؒ سے اختلافِ رائے کریں۔ وہ ہمیشہ انہیں اپنا استاد کہتے اور مانتے رہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ:

''شافعیؒ چار چیزوں میں خالص فلسفی تھے۔ ایک لغت میں، دوسرے لوگوں سے اختلاف کرنے میں، تیسرے فن معانی میں اور چوتھے فقہ میں۔''

جدل و پیکار میں حضرت امام شافعیؒ کی مہارت دیدنی تھی۔ وہ اس کے اسالیب سے بخوبی آگاہ تھے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نصرتِ حدیث کا جذبہ کارفرما رہتا تھا یا پھر وہ رجال حدیث کی مدافعت کرتے تھے۔ 184 ہجری میں جب بغداد میں اہل الرائے سے ان کا مکالمہ ہوا تو حضرت امام شافعیؒ کی باتیں سن کر وہ لوگ پریشان ہو گئے۔ امام رازی کہتے ہیں:

''عہد شافعیؒ سے قبل دو فریق تھے۔ اصحاب حدیث اور اصحاب رائے۔ اصحاب حدیث کا عالم یہ تھا کہ وہ اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظ تو تھے لیکن نظر و جدل کے فن سے بالکل ناواقف تھے۔ جب کبھی ان کے سامنے کوئی اہل

Marfat.com

رائے کوئی سوال یا اشکال پیش کرتا تو وہ متحیر ہو جاتے۔ اصحاب رائے کا یہ حال تھا کہ وہ آثار وسنن سے تہی دامن تھے۔ اس کے برعکس حضرت امام شافعیؒ ایک طرف تو عارف سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس کے قوانین سے پوری طرح مسلح۔ دوسری طرف وہ آداب جدل ونظر سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ ان کی فصاحت کلام اپنی مثال آپ تھی۔ حریف کے دلائل کو توڑنے اور اپنے دلائل کے شکنجہ میں کسنے کے فن کے وہ ماہر تھے۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ہی ان کے نطق وکلام کا جوہر تھی۔ جب کبھی ان کے سامنے کوئی سوال یا اشکال پیش کرتا تو وہ کافی وشافی جواب دے کر خاموش کر دیتے۔''

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی شخصیت قوی المدارک تھی۔ برجستہ کلامی ان کی خاص خوبی تھی۔ وہ حبس فکر کے مریض نہیں تھے۔ معاملات ومسائل کے فہم وادراک کا دروازہ ان پر کبھی بند نہیں ہوا۔ اپنی تفکیر وتحقیق کی روشنی میں وہ سرعت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ حقائق کی کسوٹی ہمہ وقت ان کے پیش نظر رہتی۔ ان کی منطق کو درجۂ استقامت حاصل تھا۔ ان کی فکر عمیق تھی۔ وہ ہر مسئلے کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے۔ وہ صرف معاملات ومسائل کے ظاہری پہلو پر توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ ان کی تہہ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی تحقیق وتجسس اُس وقت تک جاری رہتی جب تک حقیقت پورے جاہ وجلال اور توانائی ورعنائی کے ساتھ جلوہ گر نہ ہو جاتی۔

حضرت امام شافعیؒ فصاحت لسان اور بلاغت بیان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی آواز میں ایک خاص قسم کی تاثیر تھی جو سامع کو مسحور کرتی تھی۔ تاریخ بغداد میں شافعیؒ کے ایک معاصر کا بیان ہے کہ:

''جب ہم رونا چاہتے تو اپنے کسی ساتھی سے کہتے آؤ شافعیؒ

Marfat.com

کے پاس چلیں اور اُس سے قرآن سنیں۔ جب ہم ان کے
پاس آتے تو وہ قرآن شروع کر دیتے۔ پھر تو یہ عالم ہوتا کہ
لوگ سب کام چھوڑ کر ان کے سامنے جمع ہو جاتے اور شور
گریہ بپا ہو جاتا۔"

قوت بیان اور دلیل و حجت کے اسلحہ سے مسلح ہونے کے باوجود شافعیؒ ان چند لوگوں میں سے تھے جن میں نہ خود پسندی تھی نہ برتری کا جذبہ۔ جدال کے موقع پر انہیں کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ نہ ان کی حدت لسان کسی موقع پر دوسروں کی دل شکنی کا سبب بنتی تھی کیونکہ جدل سے ان کا مقصد اثبات حق تھا نہ کہ اظہار برتری وخود پسندی۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"میں چاہتا ہوں کہ لوگ علم حاصل کر لیں۔ مجھے نہ مدح کی
پروا ہے نہ کسی اور طرح کی آرزو۔"

حضرت امام شافعیؒ کے فضائل وکمالات کا ایک ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ ان کے معاصرین اور وہ اکابرین جو اُن کے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے حضرت امام شافعیؒ کے فضائل وکمالات کی توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ ایک شخص اگر فوت ہو چکا ہو تو اس کے فضل وکمال کا اعتراف دوسروں کے لیے مشکل نہیں ہوتا لیکن اگر وہ زندہ ہو تو انسانی فطرت ہے کہ وہ دوسرے کے اعترافِ کمال میں بخل سے کام لیتا ہے مگر حضرت امام شافعیؒ کے حوالے سے یہ صورت حال بالکل برعکس ہے۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے معاصرین اور اساتذہ ان کے فضل وکمال کے علی الاعلان معترف تھے۔

199 ہجری میں حضرت امام شافعیؒ مصر پہنچے۔ یہاں تقریباً 4 سال تک رہے۔ مصر میں قیام کے دوران ان کا فکری عمل مکمل ہوا۔ انہوں نے مصر میں وہ چیزیں دیکھیں جو اس سے پہلے ان کی نظر سے نہیں گزری تھیں۔ یہاں انہوں نے عرف دیکھا۔ حضارت دیکھی۔ آثار تابعین دیکھے۔ اپنے سابقہ افکار وآراء کو اپنے تجربہ اور مہارت کی روشنی میں پھر سے پرکھا۔ فن اصول پر انہوں نے جو رسالہ لکھا تھا اُسے دوبارہ قلمبند کیا۔ فروع کے سلسلہ میں اپنی آراء کو پھر سے ترتیب دیا اور اس میں ترمیم و اضافہ کیا۔ بعض آراء سے

Marfat.com

رجوع کیا اور بعض نئی آراء قائم کیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے اس دور کو بلاشک وشبہ دور تمحیص کہا جاتا ہے۔ اسی دور میں انہوں نے کئی رسالے اور بہت سے مسائل قلمبند کئے۔ کافی مسائل املاء بھی کرائے اور بہت سے مسائل پر نظر ثانی بھی کی۔

ائمۂ فقہ میں حضرت امام شافعیؒ اس اعتبار سے بھی ممتاز ومنفرد ہیں کہ انہوں نے لسان وقلم دونوں سے کام لے کر فقہ کی ترویج کی۔ وہ جہاں زبان و بیان کے ماہر تھے وہاں وہ قلم کے بھی دھنی تھے۔ انہوں نے تقاریر بھی کیں اور کتب بھی لکھیں۔ مناظرے بھی کئے اور فکر ونظر کی دنیا میں انقلاب بھی برپا کیا۔ انہوں نے دوسروں کے افکار پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی اور اپنے افکار بھی نقد ونظر کے لیئے پیش کئے۔ انہوں نے اپنی مختصر حیات ناپائیدار میں عربی زبان کا دامن علم وادب کے شہ پاروں سے مالا مال کر دیا۔ انہیں بہت جلد مقبولیت عام حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں بھی گئے لوگ جوق در جوق ان سے کسب فیض کے لیئے ٹوٹ پڑے۔ تاہم حضرت امام شافعیؒ نے ہمیشہ اپنے ہی مسلک کی تبلیغ کی اور اپنے ہی افکار وخیالات کی اشاعت کی۔ اسی طرح فقہ شافعیؒ کی نقل وتسوید کا کام ان کے شاگردانِ رشید اور ان کی کتب کے ذریعے عوام الناس تک پہنچتا رہا۔

حضرت امام شافعی نے کئی کتابیں لکھیں۔ کچھ کتب انہوں نے اپنے قلم سے لکھیں اور کچھ اپنے شاگردوں کو املاء کرائیں۔ وہ اپنی کتب کو نئے قالب میں ڈھالنے کے لیئے تحقیق وجستجو برابر کرتے رہتے تھے۔ حضرت امام شافعیؒ چونکہ بہت بڑے مناظر بھی تھے لہٰذا افکار وآراء کو برابر پرکھتے رہتے تھے اور ان پر نظر ثانی کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ آپؒ ہمیشہ طلب حق کے لیئے مناقشہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن اس کا مقصد طلب غلبہ نہیں تھا بلکہ وہ جس طرح دوسروں کے افکار وآراء کو تولتے، پرکھتے اور جانچتے رہتے تھے اسی طرح اپنے افکار وآراء کو بھی اسی سانچے میں سے گزارتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ پر ان کی مختلف آراء ملتی ہیں۔ وہ ایک رائے قائم کرتے تھے۔ پھر تحقیق مزید کی روشنی میں اس سے رجوع کر لیتے تھے۔ اپنی مدت اجتہاد کے سارے دور میں وہ اسی اصول پر قائم رہے۔ وہ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

''میری کتابوں میں تم مخالف قرآن وسنت کوئی بات نہ پاؤ
گے کیونکہ ایسی تمام باتوں سے میں رجوع کر چکا ہوں۔''

حضرت امام شافعیؒ جب کچھ لکھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ملازمہ سے کہتے کہ ''اے جاریہ! اُٹھ اور چراغ جلا دے'' وہ اُٹھتی اور چراغ جلا دیتی۔ پھر حضرت امام شافعیؒ جب تک چاہتے بیٹھے لکھتے رہتے۔ کام ختم کرنے کے بعد چراغ بجھا دیتے۔

حضرت امام شافعیؒ رات کی تاریکی میں چراغ بجھا کر زیادہ تر غور و فکر کرتے۔ آپؒ کا خیال تھا کہ چراغ کی روشنی فکر عمیق میں خلل پیدا کرتی ہے اس لیئے آپؒ چراغ بجھا دیتے۔

حضرت امام شافعیؒ تصنیف و تالیف کا کام مسجد میں بیٹھ کر بھی کیا کرتے تھے۔ آپؒ مسجد میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے۔ یہاں ان کے لیئے ایک گدیلا بچھا دیا جاتا۔ آپؒ اُس پر بیٹھ جاتے اور کام شروع کر دیتے۔ تصنیف کتب کے دوران حضرت امام شافعیؒ دوسروں کی کتابوں سے بھی مدد لیتے تاکہ معلوم ہو سکے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق احادیث اور آثار فقیہ کیا ہیں؟

یوں تو حضرت امام شافعیؒ نے کتابوں اور رسالوں کی صورت میں بہت کچھ لکھا لیکن ان سب تحریروں میں ازحد اہم معرکتہ الآراء اور قابل تحسین کتاب ''الام'' ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کیئے بغیر حضرت امام شافعیؒ کی فقہ، ان کے افکار و خیالات نیز اصول و اساسِ فقہ پر گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ فقہ کا کوئی طالب علم خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔

حضرت امام شافعیؒ ہمیشہ حدیث صحیح کی طلب و جستجو میں رہتے تھے۔ انہوں نے بار بار اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اگر ان کی کوئی رائے مخالفِ حدیث ہو تو یہ حدیث سے لاعلمی کی بناء پر ہو سکتا ہے ورنہ حدیث کے علم میں آجانے کے بعد وہ اسی کی بنیاد پر رائے قائم کریں گے۔ انہوں نے اپنے اصحاب سے بھی مطالبہ کیا ہے کہ اگر ان کی کوئی رائے حدیث کے خلاف پائیں تو اسے ترک کر دیں اور حدیث پر عمل کریں اور حدیث کے مقابلہ میں ان کی رائے کو کبھی کوئی اہمیت نہ دیں۔ آپؒ واضح طور پر کہتے تھے کہ ''میرا

Marfat.com

مذہب حدیث صحیح ہے۔''

طلب حدیث ہی کے لیئے حضرت امام شافعیؒ نے دُور دراز کے مقامات کے سفر کئے۔ اور جہاں سے بھی صحیح حدیث ملی اُسے حاصل کیا اور دوسروں تک پہنچایا۔

حضرت امام شافعیؒ نے علم شریعت کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے ایک علم عامہ، دوسرا علم خاصہ۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک علم عامہ وہ علم شریعت ہے جس سے ہر مسلمان کا واقف ہونا ضروری ہے۔ اس سے ناواقفیت جرم ہے کیونکہ شریعت نے اسے فرض اور ضروری قرار دیا ہے۔ مثلاً نماز پنجگانہ، صوم رمضان، حج بیت اللہ بشرطیکہ استطاعت ہو، ادائیگی زکوٰۃ بشرطیکہ صاحب نصاب ہو۔ جبکہ علم خاصہ فرض کفایہ کی طرح ہے کہ اگر کوئی بھی اسے ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے لیکن اگر کوئی بھی ادا کردے تو باقی ادا نہ کرنے والے گنہگار نہیں ہوں گے۔ البتہ اُسے درجہ فضیلت حاصل ہوگا جو اسے ادا کرے گا۔ یہ علم ان لوگوں کے لیئے ہے جو قرآن و سنت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس میں گنجائش اور قیاس کا امکان ہے۔

حضرت امام شافعیؒ قرآن و سنت کو ایک ہی درجہ میں رکھتے ہیں حضرت امام شافعیؒ اس ضمن میں دلیل یہ دیتے ہیں کہ ''کتاب (قرآن) و سنت دونوں خدا کی طرف سے ہیں کیونکہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی ہے۔ ارشاد ربانی ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحیٰ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن و سنت دونوں من جانب اللہ ہیں اگرچہ دونوں کے اسباب و طریق جدا جدا ہیں۔''

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ علم و فضل، عقل و فہم، ذکاوت و فراست، حدیث و فقہ، انتساب و ایام میں امتیازی مقام و مرتبہ کے مالک تھے۔ آپؒ کے حکیمانہ اقوال آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ان میں ادب و انشاء کی شیرینی بھی ہے اور حکمت و دانش کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کی چاشنی بھی ہے۔ آپؒ کا ایک قول ہے کہ:

''اس شخص کی حالت کیا ہوگی جس سے رب کریم قرآن کا،
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنت کا، شیطان گناہوں کا، زمانہ

اپنے مصائب کا، نفس اپنی خواہشوں کا، اہل وعیال روزی کا
اور ملک الموت قبض روح کا مطالبہ کرتا ہے۔"

اسی طرح ایک دفعہ آپؒ نے فرمایا:

"طبیعت زمین ہے اور علم بیج ہے۔ علم طلب سے ملتا ہے۔
جب طبیعت قابل ہو گی تو علم کی کھیتی لہلہائے گی اور اس کے
معانی اور مطالب شاخ در شاخ پھیلیں گے۔"

ایک مرتبہ آپؒ نے طرز استدلال کے بارے فرمایا کہ:

"بہترین استدلال وہ ہے جس کے معانی روشن اور اصول
مضبوط ہوں اور سننے والوں کے دل خوش ہو جائیں۔"

فقہ کے بادشاہ، وقت کے امام محمد بن ادریس شافعیؒ رجب 204 ہجری مصر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت ان کی عمر 54 سال تھی۔ حضرت امام شافعیؒ اپنی وصیت کے مطابق عبداللہ بن عبدالحکم کے ہاں بیماری کے ایام میں رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔ ان کے لڑکوں نے تجہیز و تکفین کی۔ امیر مصر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جبل مقطم کے قریب قرافۂ صغریٰ میں دفن کئے گئے۔

ربیع بن سلیمان مرادی کا بیان ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے انتقال کے بعد ایک دن ایک اعرابی نے آ کر سلام کے بعد سوال کیا: "اس حلقہ کے شمس و قمر کہاں ہیں؟" ہم نے بتایا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رویا اور یہ الفاظ کہہ کر چلا گیا کہ:

"اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور اس کی مغفرت کرے۔ کس
خوبی سے دلیل و حجت کی گتھیوں کو اپنے بیان سے سلجھاتا تھا۔
اپنے مقابل کو واضح دلیل سے ہدایت دیتا تھا۔ شرمندہ چہروں
سے عار دھوتا تھا۔ اپنے اجتہاد سے مسائل کے بند دروازے
کھولتا تھا۔"

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے عالم دین کو پیدا کرتا ہے جو لوگوں کو سنت کی تعلیم دیتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ پہلی صدی کے سرے پر حضرت عمر بن عبدالعزیز اور دوسری صدی کے سرے پر حضرت امام محمد بن ادریس شافعی نے یہ خدمت سرانجام دی ہے۔" (تاریخ بغداد جلد دوم صفحہ 61)

Marfat.com

حضرت امام احمد بن حنبلؒ

حضرت امام احمد بن حنبلؒ ربیع الاول 164 ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے آپؒ شیبانی ہیں۔ شیبان بھی عدنانی قبیلہ کا نام ہے جو خالصتاً عرب قبیلہ تھا اور نزار بن معد بن عدنان کے واسطہ سے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاتا ہے۔ یہ قبیلہ اپنی شجاعت، جرأت اور حمیت کے حوالے سے ممتاز و ممیز رہا ہے۔ مثنیٰ بن حارثہ اس قبیلہ کا ایک اہم فرد تھا جس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد حکومت میں بڑی پامردی کے ساتھ جنگ عراق میں حصہ لیا۔ آپؒ کے دادا عبدالملک بن سوادہ بن ہند کا شمار قبیلہ شیبان کے سرکردہ افراد میں ہوتا تھا۔ عرب قبائل ان کے پاس آ کر قیام کرتے تھے اور وہ بڑی سیر چشمی اور فراخ دلی کے ساتھ ان کی میزبانی کرتے تھے۔

چونکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا خاندان بصرہ میں رہنے لگا تھا اس لیئے بصری کہلایا جانے لگا۔ (المناقب لابن جوزی صفحہ 21) حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے والد کا نام محمد بن حنبل جبکہ دادا کا نام حنبل بن ہلال تھا (ابوزہرہ) جبکہ ابن خلکان نے ''وفیات الاعیان'' کی جلد 21 صفحہ 17 پر آپؒ کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

امام ابوعبداللہ احمد بن محمد حنبل بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن ہنب بن افضی بن دعمی بن حدیلہ بن اسد بن

Marfat.com

ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان۔

بنی شیبان کی ایک شاخ بنو مازن بھی تھی جس سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا خاندانی تعلق تھا۔ جب آپؒ بصرہ جاتے تو اکثر اپنے خاندان کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن رومی کا بیان ہے کہ ''میں بصرہ میں احمد بن حنبلؒ کو اکثر دیکھتا تھا کہ بنی مازن کی مسجد میں آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ یہ میرے آباء واجداد کی مسجد ہے۔''

(مناقب الامام احمد بن حنبلؒ، ابن جوزی صفحہ 19)

ابن جوزی نے اصمعی سے روایت کی ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے والد فوج میں کمان دار تھے اور ابن جزری نے بھی لکھا ہے کہ ''حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے والد مجاہدوں کے لباس میں ملبوس رہتے تھے۔'' اسی طرح آپؒ کے دادا بڑے عالی منصب تک پہنچے اور سرخس کی گورنری کے عہدہ پر ایک عرصہ تک فائز رہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نانا کا شمار بنو شیبان کے سرداروں اور سرکردہ افراد میں ہوتا تھا۔ وہ سخی اور فراخ دل انسان تھے۔ ان کی میزبانی کا دروازہ عربوں کے لیئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ عرب قبائل اکثر ان کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے اور وہ بڑی فراخ دلی سے ان کی خاطر داری کیا کرتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ بچپن ہی میں باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ:

''نہ میں نے اپنے باپ کو دیکھا ہے نہ دادا کو''

ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے والد کی وفات ان کی ولادت کے بعد ہی واقع ہوگئی تھی۔ باپ کی وفات کے بعد والدہ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی پرورش انتہائی محبت اور شفقت مادری سے کی۔ باپ نے کچھ زیادہ ترکہ نہیں چھوڑا تھا۔ بغداد میں صرف ایک رہائشی گھر تھا اور تھوڑی سی زمین تھی جس سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ گھر کا خرچ تنگی ترشی کے ساتھ چل جاتا تھا۔ تاہم آپؒ کی والدہ نے اپنے دامن کو کسی کی اعانت سے پاک رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی

Marfat.com

شخصیت اور سیرت کی تعمیر اس انداز میں ہوئی کہ گو وہ فقر و فاقہ کی وجہ سے عیش و نعم سے لطف اندوز نہیں ہوئے لیکن اس بات نے ان میں ذلت نفس پیدا نہیں ہونے دی۔ قناعت نے ان کے اندر فکر و نظر کی رفعت پیدا کی۔ یتیمی نے ان میں اعتماد نفس پیدا کیا اور وہ بچپن ہی سے اپنے اوپر بھروسہ کرنے کے عادی ہو گئے۔ ان سب وجوہات اور حالات و واقعات نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ میں تقویٰ جیسی خاصیت پیدا کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے تمام عمر رب کائنات کے سوا کسی اور طاقت کے سامنے کبھی سر نہیں جھکایا اور خودی و خودداری کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز نظر آئے۔

ان خصوصیات میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مثال واضح طور پر حضرت امام شافعیؒ سے دی جا سکتی ہے۔ دونوں عالی نسب، یتیم، مفلوک الحال، خودنگر و خوددار اور متقی و پرہیزگار تھے۔ یہ سب خصوصیات دونوں اُستاد، شاگرد میں مشترک تھیں۔ دونوں کو ان کی ماؤں نے بام عروج تک پہنچانے میں ارفع اور حسین تر کردار ادا کیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ بچپن ہی سے مکتب میں تعلیم و تدریس کے زیور سے آراستہ ہونے لگے۔ اسی زمانہ میں ہی ان کی شرافت، انسان دوستی، نیک نفسی اور پاکیزگی کے گُن گائے جانے لگے تھے۔ ابو عفیف راوی کا بیان ہے کہ:

> ''احمد بن حنبلؒ مکتب میں ہمارے ساتھ تھے۔ وہ اس وقت بہت چھوٹے تھے اور ہم طلباء ان کی بزرگی سے واقف تھے۔''

اس زمانہ میں خلیفۂ وقت مقام رقہ میں مقیم تھا۔ بغداد کے اشراف و اکابر اُس کے ہمرکاب تھے۔ وہ لوگ چونکہ اپنے گھروں سے دُور تھے اس لیئے وہ اپنے اہل و عیال کی خیریت معلوم کرنے کے لیئے انہیں خطوط تحریر کرتے تھے۔ جب وہ خطوط ان کے گھروں تک پہنچتے تھے تو اُن کی عورتیں مکتب کے معلم کے یہاں کہلا بھیجتی تھیں کہ احمد بن حنبل کو بھیج دو تاکہ وہ ہمیں خطوط کے جوابات لکھ دیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اُس وقت زمانۂ طالب علمی میں تھے۔ آپؒ اپنے اُستاد کے کہنے پر انتہائی شرم و حیا کے ساتھ سرنیچا کیئے مختلف افراد کے گھروں میں جاتے تھے جہاں خواتین اُن سے خطوط کے جوابات لکھواتی تھیں مگر حضرت امام احمد بن حنبلؒ جب یہ دیکھتے تھے کہ کوئی بات

Marfat.com

نامناسب ہے اور ناقابل تحریر ہے تو وہ اُسے نہیں لکھتے تھے۔

ایک دفعہ ایک امیر نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے چچا کو خط لکھا۔ آپؒ کے چچا نے آپؒ کو اس خط کا جواب لکھ کر دیا اور کہا ''جب امیر کا قاصد خط کا جواب لینے آئے تو اُسے یہ جوابی خط دے دینا۔'' چنانچہ جب امیر کا قاصد خط کا جواب لینے کیلئے آیا تو آپؒ کے چچا جان نے قاصد سے کہا ''میں نے تو جواب لکھ کر احمد بن حنبلؒ کو دے دیا تھا۔ اُس نے وہ جوابی خط تمہیں دے دیا ہوگا۔'' مگر قاصد نے بتایا کہ ''مجھے تو امام احمد بن حنبلؒ نے کوئی خط نہیں دیا۔'' اس پر آپؒ کے چچا جان نے آپؒ کو بلا کر پوچھا تو آپؒ نے چچا جان سے کہا ''اُس خط میں فلاں بات نامناسب تھی اس لیئے میں نے اسے طاق پر رکھ دیا ہے۔''

خلیفہ کے قیام رقہ کے زمانہ میں داؤد بن بسطام نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے چچا کو لکھا کہ ''آج کل بغداد کی کوئی خبر نہیں مل رہی۔ خبر بھجوایئے میں خلیفہ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' حضرت امام احمد بن حنبل کے چچا نے داؤد بن بسطام کے نام ایک جوابی خط تحریر کیا اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو دیا تاکہ وہ داؤد بن بسطام تک پہنچ پائے۔ لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے وہ خط نہ پہنچایا۔ جب آپؒ سے دریافت کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا ''کیا آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ ایسی خبریں میں پہنچاؤں گا؟ میں نے وہ خط پانی میں ڈال دیا ہے۔'' جب داؤد بن بسطام کو اس بات کا علم ہوا تو اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا ''یہ لڑکا بہت بڑا متقی بنے گا''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی شرافت و نجابت، دیانت و معقولیت اس درجہ کمال کو تھی کہ آپؒ کے ہم عصر اور ہم نشیں اسے باعث تقلید سمجھتے تھے جبکہ ان کے والدین رشک کرتے تھے کہ کاش انکا فرزند بھی ایسا ہوتا! بچوں کے والدین حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا کردار اور حسن و قول اپنے بچوں کے لیئے نمونہ اور مثال سمجھتے تھے۔ بعض والد تو یہاں تک کہا کرتے تھے کہ:

''ہم نے اپنے لڑکوں پر بہت کچھ خرچ کیا۔ انہیں اعلیٰ و ارفع اساتذہ کے سپرد کیا تاکہ انہیں ادب اور تمیز سکھائیں لیکن کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا۔ لیکن احمد بن حنبلؒ کو

دیکھو کہ یہ یتیم لڑکا کیسے پسندیدہ اطوار اور قابل رشک خصوصیات کا حامل ہو گیا ہے۔"
(المناقب الابن جوزی صفحہ 21)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے خاندان والے انہیں بچپن ہی سے علوم وفنون کا ماہر ترین فرد بنانے کے آرزومند تھے۔ وہ آپؒ کو علم لغت، حدیث، قرآن، مآثر صحابہؓ و تابعینؒ، احوال و سیرت ختم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ اولیاء کا انسائیکلوپیڈیا بنانا چاہتے تھے۔

اس مقصد کے حصول کے لیئے سب سے پہلے آپؒ کے حفظ قرآن کی طرف توجہ دی گئی۔ آپؒ نے بہت جلد قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اس اہلیت اور سعادت کی وجہ سے آپؒ میں امانت اور تقویٰ کا جوہر پیدا ہو گیا اور یہ خوبی حضرت امام احمد بن حنبلؒ میں بچپن سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے لے کر بڑھاپے تک پورے جلال وکمال اور رعنائی وزیبائی کے ساتھ قائم دائم رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے اشاعتِ دین کی راہ میں حائل بڑی سے بڑی رکاوٹ اور کٹھن سے کٹھن حالات و واقعات کا پوری جوانمردی اور پامردی و استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ جو عقیدہ قائم کیا اُس پر پوری جولانی و تابانی کے ہمرکاب ڈٹے رہے۔

قرآن مجید کے حفظ اور علم لغت کے حصول کے بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تحریر و کتابت کے فن کی توجہ رغبت کا اظہار کیا اور اُسے سیکھنے میں مصروف ہو گئے۔ آپؒ خود فرماتے ہیں کہ:

"میں ابھی بالکل بچہ ہی تھا کہ حفظ قرآن سے فارغ ہو گیا۔ چودہ سال کا تھا کہ تحریر و کتابت کی مشق و تحصیل میں منہمک ہو گیا۔"

عمر اور سن کے اعتبار سے اگرچہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ابھی بچے تھے لیکن فہم و فراست اور ذکاوت و ذہانت میں وہ ایک مرد کامل کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ہیثم بن جمیل کا یہ قول ان کی ذہانت و فطانت پر سند کا درجہ رکھتا ہے کہ:

"یہ لڑکا اگر زندہ رہا تو اپنے اہل زمانہ کے لیئے حجت ثابت

Marfat.com

ہوگا۔'' (تاریخ الحفاظ الذہبی)

اور اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہیثم بن جمیل کی بات بالکل درست ثابت ہوئی۔ چشم فلک نے دیکھا کہ وہی لڑکا احمد بن حنبلؒ اپنے علم وعمل، خلق وورع اور ذہانت وفطانت کے بل بوتے پر اہل زمانہ کے لیئے واقعی حجت ثابت ہوا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے دور میں عراق میں دو مسلک زوروں پر تھے۔ ایک فقہ، دوسرے حدیث اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ بغداد میں فقہ عراق رائج تھی اور عظیم فقہا موجود تھے۔ ان فقہا کے علاوہ بغداد میں محدثین اور حفاظ حدیث کا بھی ایک گروہ موجود تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اپنا راستہ منتخب کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔ انہوں نے مشاہدہ، تجربہ اور سوچ بچار کے بعد رجال حدیث کا مسلک اختیار کیا اور اس کی طرف ہی اپنی تمام تر توجہ مرتکز کر دی۔ اگرچہ آپؒ سب سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید حضرت ابو یوسفؒ کے حلقۂ درس میں پہنچے لیکن اس کے بعد آپؒ کا میلان طبع ان محدثین کی طرف ہو گیا جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیئے اپنی ذہنی ودماغی صلاحیتیں بروئے کار لا رہے تھے۔ آپؒ خود فرماتے ہیں کہ ''حدیث کا پہلا سبق میں نے ابو یوسف ہی سے لیا تھا۔'' (المناقب لابن جوزی صفحہ 23)

اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ مکمل طور پر فقہ عراق سے علیحدہ ہو گئے تاہم یہ امر مسلّم ہے کہ آپؒ نے پہلے زیادہ توجہ رجال حدیث کے مسلک کی طرف دی چنانچہ فقہائے رائے کی بجائے وہ اپنی فقہ کی تائید حدیث سے لاتے ہیں اور فقہائے رائے کی طرح یہ نہیں کرتے کہ حدیث میں رائے کو دخل دیں اور فقہ کو اپنی جگہ رہنے دیں۔

فقہ کی دلیل حدیث سے لانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام تر حدیث ہی کی طرف مائل اور متوجہ ہو گئے۔ جب اس کا مکمل عبور حاصل کر لیا تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فقہ رائے یعنی فقہ حنفی کی جانب توجہ دی اور اس میں علم حدیث کی رُو سے نقد ونظر اور موازنہ وتقابلی جائزہ کی روایت ڈالی۔ یہ کام ان فقہائے کرام نے اب تک سرانجام نہیں

دیا تھا۔ چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس ضمن میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا طریقہ استعمال کیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے آغاز جوانی میں جب علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا تو اُس وقت محدثین عظام عالم اسلام کے کونے کونے میں موجود تھے۔ بصرہ اور کوفہ میں محدثین کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ بغداد میں بھی محدثین کا جم غفیر موجود تھا۔ اسی طرح حجاز میں بھی محدثین کی کثیر تعداد اشاعت حدیث میں مصروف عمل تھی۔ اور روشن صورت حال یہ تھی کہ مختلف شہروں کے محدثین ایک دوسرے سے اختلاف رائے کرنے کی بجائے باہم استفادہ کرتے تھے۔ عالم اسلام حدیث کی روایت میں ایک دوسرے سے مربوط تھا اور جیسے ہی کوئی حدیث معلوم ہوتی تھی وہاں تمام جگہوں پر پہنچ جاتی تھی۔

ان خوشگوار اور موافق حالات میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ہر جگہ علمائے حدیث کے دروازے پر دستک دی۔ وہ بذات خود جگہ جگہ پہنچ کر حدیث کا علم حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ حدیث کی صحت کی تصدیق وہ بحسن وخوبی کرسکیں۔ انہوں نے عراق میں تحصیل حدیث کی۔ یہی غرض لے کر وہ شام گئے۔ انہوں نے حجاز مقدس کا بھی سفر کیا۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سب سے پہلے محدث ہیں جنہوں نے عالم اسلام کا حصول حدیث کی خاطر طویل سفر کیا۔ احادیث حاصل کرنے کے بعد اس کی تدوین وترتیب کا فریضہ سرانجام دیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے حصول حدیث کا کام 179 ہجری میں شروع کیا۔ تقریباً 7 سال تک بغداد ہی میں حصول حدیث کا عمل جاری رکھا۔ اس مدت میں شیوخ و علمائے بغداد سے بہت کچھ حاصل کیا۔ بغداد میں آپؒ نے ہشیم بن بشیر، عمیر بن عبداللہ بن خالد اور عبدالرحمٰن بن مہدی سے احادیث سنیں اور انہیں قلمبند کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد 186 ہجری سے آپؒ نے حصول حدیث کے لیئے منزل بہ منزل سفر کا آغاز کیا۔ ایک عرصہ تک حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے سفر و سیاحت کا سلسلہ جاری رہا تاکہ وہ ائمۂ حدیث کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو براہ راست سنیں اور پھر انہیں قلمبند کریں۔

Marfat.com

حجاز مقدس کا سفر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے پانچ بار کیا۔ اسی سفر میں حضرت امام شافعیؒ سے ملاقات ہوئی اور آپؒ نے فقہ شافعیؒ کے اصول وغیرہ معلوم کئے۔ اس کے بعد ان کی ملاقات حضرت امام شافعیؒ سے بغداد میں ہوئی۔ آپؒ معرفت حدیث میں حضرت امام شافعیؒ کی رائے اور فکر ونظر کو مدار اعتماد قرار دیتے اور ان سے فرماتے:

''اگر آپؒ کے پاس کوئی حدیث پہنچ جایا کرے تو مجھے بھی اس سے باخبر کر دیا کیجئے خواہ وہ کسی حجازی سے پہنچی ہو یا شامی سے یا عراقی سے یا یمنی سے۔''

(تاریخ ابن کثیر جلد دہم صفحہ 327)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ حج پر بھی اس غرض کو لے کر جاتے تھے کہ وہاں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے کچھ نہ کچھ فرمودات حاصل کر سکیں۔ آپؒ نے تین حج پاپیادہ کئے۔ زاد سفر کی کمی انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی تھی کیونکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ تنگدستی کی زندگی گزار رہے تھے۔ کوفہ میں جہاں آپؒ رہتے تھے وہاں کا حال بیان کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں کہ:

''میں گھر میں جب سوتا تھا تو سر کے نیچے اینٹ رکھ لیا کرتا تھا۔''

ایک دفعہ آپؒ نے فرمایا: ''اگر میرے پاس کچھ روپیہ ہوتا تو میں رے کا سفر ضرور کرتا تاکہ جریر بن عبدالحمید سے سماعت کر سکوں لیکن میں رے نہ جا سکا کیونکہ میرے پاس زاد سفر کے لیئے کچھ بھی نہیں تھا۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے طلب حدیث کے لیئے صنعاء کا سفر اختیار کیا تو راستے میں زاد راہ ختم ہو گیا۔ اب آپؒ نے باربرداروں کے گروہ میں شامل ہو کر مزدوری کرنا شروع کر دی۔ اس طرح رقم جمع کر کے بالآخر صنعاء پہنچ گئے۔

(حلیۃ الاولیاء)

جب آپ صنعاء پہنچے تو حضرت امام عبدالرزاق نے دیناروں سے بھری ایک تھیلی آپؒ کی خدمت میں پیش کر کے آپؒ کی مدد کرنا چاہی مگر آپؒ نے قبول کرنے سے

Marfat.com

انکار کرتے ہوئے کہا:

''رب تعالیٰ کا شکر ہے میں جس حال میں ہوں بالکل ٹھیک ہوں۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نفس مطمئنہ کے مالک تھے۔ وہ کسی کے زیر بار احسان ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب بھی دنیا ان کی طرف مائل ہوئی انہوں نے کمال استغنا کے ساتھ اُسے ٹھکرا دیا۔ متوکل نے آپؒ کی خدمت میں مال و زر سے بھری ہوئی تھیلیاں ہدیہ اور نذر کے طور پر بھیجیں۔ آپؒ نے فوراً واپس کر دیں اور قناعت و خودداری کا بے مثل مظاہرہ کیا۔ بقول اقبالؔ ۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی

طلب حدیث میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ محنت و مشقت کو باعث اعزاز اور تکلیف و پریشانی کو وجہ افتخار سمجھتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ حاصل کر کے بھی آپؒ مطمئن نہیں ہوتے تھے مگر عاجزی و انکساری کا دامن تھامے رکھتے تھے۔ حدیث کی طلب و روایت میں ان کی سعی مشکور ناقابل بیان تھی۔ یہاں تک وہ درجۂ امامت پر پہنچ گئے مگر حصول حدیث کی جستجو انہیں چین نہیں لینے دیتی تھی۔ آپؒ فرماتے تھے کہ:

''میں جب تک قبر میں نہ پہنچ جاؤں قلم دوات کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔''

درحقیقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس حکمت ماثورہ پر عمل کرتے تھے کہ:

''آدمی وہی عالم ہے جو طلب علم میں مصروف رہے جب وہ یہ خیال کرنے لگے کہ وہ عالم ہو گیا تو وہیں اس کی جہالت شروع ہو گئی''۔

اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی تمام زندگی اسی قول کی مجسم شکل تھی۔ بقول اقبالؔ ۔

Marfat.com

چلنے والے نکل گئے ہیں — جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں
اس رہ میں مقام بے محل ہے — پوشیدہ قرار میں اجل ہے

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا اصول تھا کہ وہ صرف حافظہ پر مکمل اعتماد نہیں کرتے تھے بلکہ ختم الرسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور اصحاب رسول کے آثار کو تحریر کے ضابطے میں ضرور لاتے تھے۔ پھر اس کی تدوین و ترتیب کرتے تھے۔ اگرچہ انہیں تمام احادیث از بر یاد تھیں مگر جب وہ احادیث کی روایت کرتے تھے تو لکھی ہوئی کتاب کھول کر بیان کرتے تھے کیونکہ انہیں لحہ لحہ یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ ممکن ہے کہ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا ہو اور یوں خدانخواستہ نعوذ باللہ کلمات رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریف واقع ہو جائے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک حدیث بارے سوال کیا۔ آپؒ نے فوراً اپنے فرزند عبداللہ کو حکم دیا کہ کتاب ''الفوائد'' لا کر پیش کریں تاکہ وہ مطلوبہ حدیث اسمیں سے تلاش کر کے سائل کو بتائیں۔ آپؒ کے فرزند نے کتاب کافی دیر تک تلاش کی مگر اُسے نہ ملی تو آپؒ بذات خود اُٹھ کھڑے ہوئے اور کتاب ڈھونڈ لائے۔ اس کتاب کے متعدد اجزا تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ہر ایک جزو کو باری باری دیکھنا شروع کیا اور کافی جستجو کے بعد جب وہ حدیث ملی تو سائل کو بتائی حالانکہ وہ حدیث آپؒ کو زبانی بھی یاد تھی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نہ صرف محدث تھے نہ صرف فقیہ بلکہ وہ بیک وقت فقیہ بھی تھے اور محدث بھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے:

''جو حدیث سیکھتا ہے اور فقہ نہیں جانتا اس کی مثال اس دوا ساز کی سی ہے جو دوائیں تو جمع کرتا رہتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کونسی دوا کس مرض میں کام آئے گی؟ یہاں تک کہ طبیب آتا ہے اور وہ بتاتا ہے۔ اسی طرح طالب حدیث ہے جو احادیث تو یاد کر لیتا ہے لیکن ان کی ماہیت اور حقیقت سے

Marfat.com

ناواقف ہوتا ہے یہاں تک کہ فقیہ آتا ہے اور صحیح بات بتاتا ہے۔"   (ابو زہرہ)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فقہ و حدیث کے جامع تھے۔ وہ امام حدیث بھی تھے اور امام فقہ بھی۔ وہ جتنے بڑے محدث تھے اتنے بڑے فقیہ بھی تھے۔ ان کی ذات جامع صفات تھی۔ ان کے زمانہ میں جو علوم ظاہر ہو چکے تھے وہ ان سب سے آشنا تھے۔ وہ مختلف فرقوں کے احوال، سوانح، کیفیات و اخبار وغیرہ سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ فارسی زبان سے بھی خوب واقف تھے۔ تاریخ ذہبی میں ہے کہ خراسان سے ان کے ماموں زاد بھائی آئے اور انہی کے پاس قیام پذیر ہوئے۔ جب دسترخوان بچھا اور کھانا چُنا گیا تو امام احمد بن حنبلؒ نے خراسان اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں مکمل حالات دریافت کئے اور یہ بات چیت انہوں نے فارسی ہی میں کی ۔

ایک سینے میں ہزاروں ولولوں کی کائنات
ایک انساں میں کروڑوں اہل ہمت کا ثبات

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو جہاں کسی عالم کی خبر ملتی تو آپؒ فوراً رخت سفر باندھتے اور اُس کے پاس طلب علم کے لیئے پہنچ جاتے سوائے اس کے کہ موت ان کی ملاقات میں حائل نہ ہو گئی ہو۔ چنانچہ وہ حضرت امام مالکؒ سے مکمل طور پر استفادہ نہ کر سکے اس لیئے کہ ان کے طلب حدیث کے ابتدائی عہد میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابن مبارک سے بھی وہ استفادہ نہ کر سکے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اس بات کا ہمیشہ افسوس رہا کہ وہ ان حضرات سے کسب فیض نہ کر سکے لیکن رب رحیم و کریم نے اس کی تلافی بھی کی۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"میں حضرت امام مالک سے کسب فیض نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بجائے حضرت سفیان بن عینیہ سے کسب فیض کا موقع دیا۔ میں حضرت حماد بن زید کے حضور نہ پہنچ سکا۔ ان کی بجائے رب رحمٰن و رحیم نے مجھے حضرت اسماعیل بن علیہ

سے استفادہ کا موقع عطا فرمایا۔"

(المناقب لابن جوزی صفحہ 31)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ بہت زیادہ متبع سنت تھے۔ وہ اس امر کا خصوصی خیال رکھتے تھے کہ جو فعل سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے اُسے وہ بھی انجام دیں اور وہ کام نہ کیا جائے جسے رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی اتباع سنت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم 40 سال کی عمر میں منصب رسالت پر فائز ہوئے اس لیئے آپؒ نے اُس وقت تک تحدیث و افتاء کی مسند نہ سنبھالی جب تک زندگی کی 40 منزلیں طے نہ کر لیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپؒ نے اس سے پہلے علم کی روایت سے احتراز کیا۔ جس کسی نے بھی جب آپؒ سے کوئی بات یا مسئلہ دریافت کیا تو آپؒ نے فوراً اس کا جواب دیا اور تسلی بخش جواب دیا بلکہ ایسا جواب دیا کہ بقول شاعر ؎

تُو بول اُٹھے تو لفظ خوشبو، تُو سوچ لے تو خیال خوشبو
ترے تکلم سے بن گیا ہے جواب خوشبو، سوال خوشبو

چونکہ مسند درس و افتا پر جلوہ افروز ہونے سے پہلے دنیائے اسلام میں ان کی شہرت کونے کونے تک پہنچ چکی تھی۔ اس لیئے ان کے درس میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد شریک ہوتی تھی۔ ان میں سے بعض طالبان علم وہ بھی تھے جو آپؒ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ نوک قلم سے لکھ لیتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے درس و تحدیث کی دو مجالس ہوتی تھیں۔ ایک مجلس آپؒ گھر پر منعقد کیا کرتے تھے جسمیں خاص خاص شاگرد شریک ہوتے تھے اور خود امام احمد بن حنبلؒ کے اپنے بیٹے بھی اس میں حاضر ہوتے تھے۔ دوسری مجلس مسجد میں منعقد ہوتی تھی۔ اس مجلس میں عام لوگ اور شاگردوں کا ایک جم غفیر شریک ہوتا تھا۔ حافظ ذہبی کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے درس و تحدیث کا وقت عام طور پر نماز عصر کے بعد ہوتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ وقت انہوں نے اس لیئے اختیار کیا ہو کہ رات شروع

Marfat.com

ہونے سے پہلے اور دن ڈھلنے کے بعد کا وقت یہی ہے۔ نیز یہ کہ اکثر لوگوں کی فرصت کا وقت بھی یہی ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس درس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہاں اطمینان نفس کے ساتھ ساتھ وقار وسکون کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ بغیر تلاش وتحقیق کے درس کا آغاز نہیں کرتے تھے۔ جب وہ کسی قول کو حدیث نبوی قرار دیتے تھے تو یہ بات اس وقت تک نہیں کہتے تھے جب تک کتاب دیکھ کر اطمینان نہیں کر لیتے تھے چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ جب مسجد میں تشریف لے آتے تھے تو اپنے ساتھ کتابیں بھی لے آتے تھے۔ آپ اپنے ساتھ احادیث پر مشتمل ''کتاب الایمان'' لے آتے تھے اس خیال سے کہ ممکن ہے لوگ ایسی احادیث دریافت کریں جو ایمان سے متعلق ہوں۔ اسی طرح آپؒ اپنے ساتھ ''کتاب الاشربہ'' بھی رکھتے تھے کیونکہ ان دنوں شرب حرام کی کثرت ہو گئی تھی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اشخاص وافراد کی آراء کی جمع وتدوین کو پسند نہیں کرتے تھے۔ آپؒ اپنے شاگردوں کو ان کی تدوین کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آپؒ کے نزدیک سب سے زیادہ ناگوار اور ناپسندیدہ بات خود آپؒ کے فتاویٰ کی جمع وتدوین کا کام تھا۔ آپؒ اسے ناپسند کرتے تھے کہ لوگ آپؒ سے فتاویٰ نقل کریں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس درس وتدریس ایک ایسے مرد مومن، مرد قلندر اور مرد مطمئن کی مجلس تھی جو ایمان کامل اور یقین محکم کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کی چھتری تلے زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی زندگیوں اور سیرت میں گم کر دیتا ہے۔ وہ اپنے شاگردوں کو تلقین کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے رہبر ورہنما ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے لمحہ لمحہ کو اپنے لیئے مشعل راہ بنائیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اگرچہ صراط مستقیم پر چلتے ہوئے رہبر ورہنما کا فریضہ خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے تھے مگر ان کے لیئے یہ بات بھی مقدر ہو چکی تھی کہ

Marfat.com

ان کو ابتلاء و آزمائش کے تکلیف دہ دور سے گزارا جائے۔ ان کے جسم پر کوڑے برسائے جائیں۔ آہنی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر سرراہ گھسیٹا جائے۔ صرف اس جرم میں کہ وہ اس طرح کیوں نہیں سوچتے جس طرح مامون الرشید سوچتا تھا؟

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے دور آزمائش و ابتلاء کا اصل سبب مامون الرشید کی وہ دعوت تھی جو اُس نے وقت کے فقہاء اور محدثین کو اپنے قول خلق قرآن کی تائید و حمایت کے ضمن میں دی تھی۔ 218 ہجری میں عباسی خلیفہ مامون الرشید نے پورے عالم اسلام میں یہ حکم جاری کیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ اور یہ کہ ہر مقام کا امیر و حاکم اپنے یہاں کے اہل علم سے اس کا اقرار لے کہ قرآن اللہ کی طرح قدیم نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے۔ جو کوئی انکار کرے اس کو سزا دی جائے اور قید کر کے دربار میں بھیج دیا جائے۔

جب بغداد کے پولیس آفیسر اسحاق بن ابراہیم کو یہ حکم نامہ ملا تو اُس نے وہاں کے نامور علماء و محدثین کو بلوایا۔ ان میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی شامل تھے۔ اُس نے ان کے سامنے مامون الرشید کا حکم نامہ پیش کر کے قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا اقرار کرانا چاہا۔ اُس نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا ''آپ کی اس بارے کیا رائے ہے؟'' حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ''قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے'' اُس نے پوچھا ''کیا قرآن مخلوق ہے؟'' حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ''وہ کلام اللہ ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اسحاق بن ابراہیم نے اس بات پر ناراض ہو کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو جیل میں ڈال دیا۔ ان کے ساتھ تین محدث اور بھی تھے۔

دوسرے دن اسحاق بن ابراہیم نے جیل سے نکال کر سب سے یہی سوال پھر کیا تو ان میں سے ایک نے اس کا اقرار کر لیا۔ اس پر اسحاق بن ابراہیم نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور آپؒ کے ساتھ دوسرے دو محدثین کو دوبارہ جیل بھیج دیا اور جس محدث نے اقرار کر لیا تھا اُسے چھوڑ دیا۔ تیسرے دن اسحاق بن ابراہیم نے پھر ان تینوں کو بلا بھیجا اور اپنا سابقہ سوال دہرایا۔ اس دن ایک اور محدث نے اقرار کر لیا تو اُسے بھی چھوڑ دیا گیا۔ اس پر اسحاق بن ابراہیم نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے محدث محمد بن نوح کو طرسوس روانہ کر دیا۔ محمد بن نوح راستہ ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے تو حضرت

Marfat.com

امام احمد بن حنبلؒ نے ان کی تجہیز و تکفین کی۔ کچھ عرصہ بعد مامون الرشید کا انتقال ہو گیا۔

مامون کے بعد معتصم کا دور آیا تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ زنجیروں میں مقید بغداد لائے گئے۔ پھر انہیں کرایہ کے ایک مکان میں قید کر دیا گیا۔ اس کے بعد عام جیل خانہ میں بھیج دیئے گئے جہاں آپؒ بیڑیاں پہنے ہوئے جیل کے قیدیوں کی امامت کرتے رہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اڑھائی سال جیل خانہ میں رہے۔ اس دوران معتصم جیل خانہ سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو نکال کر بھرے دربار میں خلق قرآن کے بارے میں بحث مباحثہ کرتا تھا اور پھر آپؒ کو جیل خانہ ڈال دیتا تھا۔ آخر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو دُرّے لگائے گئے اور سزا دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر آپؒ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی جنبش نہ آئی۔

جس وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا تو وہاں خلق قرآن کے فتنہ کا بانی قاضی احمد بن ابو دواد اور ابوعبدالرحمٰن شافعی بھی موجود تھے۔ حاضرین دربار نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو ڈرایا۔ اس سے پہلے دو آدمیوں کی گردن اڑائی جا چکی تھی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ابوعبدالرحمٰن شافعی کو دیکھا تو ان سے پوچھا ''کیا آپ کو مسح کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ کی رائے معلوم ہے؟'' یہ سن کر قاضی ابن ابی دواد پکار اٹھا کہ ''دیکھو احمد بن حنبل کو، یہ شخص گردن مارنے کے لیئے سامنے لایا گیا ہے مگر اس موقع پر بھی فقہی مسائل پوچھ رہا ہے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے کہ:

> ''جب مجھے کوڑے مارے جا چکے تو مجھے تلوار کے قبضہ سے زخمی کیا گیا۔ اب میں نے سوچا کہ میری راحت کا وقت آ گیا۔ اب میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ مگر بانیٔ فتنہ ابن دواد نے کہا کہ ایسا نہ کریں کیونکہ اگر یہ شخص یہاں قتل کر دیا گیا تو لوگ یہی کہیں گے کہ احمد بن حنبل نے صبر و استقامت کے ساتھ جان دے دی۔ پھر وہ اس کو اپنا رہبر و رہنما بنا کر اس ہی کی

Marfat.com

بات پر ڈٹے رہیں گے۔ بہتر ہے کہ آپ اسی وقت اس کو
یہاں سے نکال دیں۔"

معتصم نے قاضی ابن ابی دواد کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے چچا کو بلایا اور سب لوگوں کے سامنے پوچھا "کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟" انہوں نے کہا "جی ہاں! یہ احمد بن حنبلؒ ہیں۔" معتصم نے کہا "انہیں دیکھ لو۔ صحیح البدن ہیں یا نہیں؟" سب نے اس بات کی تائید کی کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ٹھیک ٹھاک ہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا شمار تاریخ کے ایسے عظیم اکابرین میں ہوتا ہے جو آزمائش و ابتلاء کی کسوٹی پر پرکھے گئے اور کھرے و سچے ثابت ہوئے۔ جو اپنے عقیدہ پر صبر و استقامت اور ہمت و جرأت کے ساتھ ڈٹے رہے جنہوں نے دین کو دنیا پر ترجیح دی۔ جنہوں نے فانی کے مقابلہ میں باقی کو اختیار کر کے صداقت کی شمع روشن رکھی۔

دراصل حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا نظریہ یہ تھا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں اس طرح کے مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لیئے کہ اسلاف سے اس سلسلہ میں کوئی بات منقول نہیں ہے۔ دینی مسائل کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ آثار سلف کی سختی کے ساتھ پیروی کرتے تھے۔ وہ صرف انہی کی راہ پر گامزن ہوتے تھے۔

جب معتصم اور اس کے حواری مایوس ہو گئے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ان کی بات ہرگز نہیں مانیں گے تو بالآخر انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو رہا کر دیا۔ اور انہیں ان کے گھر ایسی حالت میں پہنچایا گیا کہ وہ زخموں سے چور چور اور لہولہان تھے۔

جب تک حضرت امام احمد بن حنبلؒ زخمی رہے تو درس و تحدیث کا سلسلہ منقطع رہا۔ جیسے ہی آپؒ کے زخم مندمل ہوئے تو آپؒ نے مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ پھر شروع کر دیا یہاں تک کہ معتصم کا انتقال ہو گیا۔

معتصم کے بعد واثق خلیفہ بنا تو اب پھر امتحان و آزمائش کا ایک نیا دور آغاز

Marfat.com

ہوا۔ اگرچہ یہ عہد معتصم کی طرح کوڑوں کی ضربوں اور جسمانی ایذا رسانی سے مبرا تھا کیونکہ واثق جانتا تھا کہ اس طرح عوام میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی قدر و منزلت اور بڑھ جائے گی اور ان کے خیالات و افکار لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائیں گے۔ اس نے سوچا کہ عقلمندی اسی میں ہے کہ عوام کی شورش اور ناراضی سے بچا جائے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مقبولیت میں اضافہ کے خود ہی سامان پیدا نہ کئے جائیں۔

چنانچہ احمد بن ابی دواد اور واثق نے معتصم کی وفات کے بعد جسمانی ایذا رسانی سے کام نہیں لیا بلکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو لوگوں سے ملنے سے منع کر دیا۔ واثق نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے لیئے واضح الفاظ میں حکم جاری کیا کہ:

''تمہارے پاس کسی کو آنے اور میل ملاقات کی اجازت نہیں ہے اور نہ تم اس شہر میں اقامت اختیار کرو جہاں ہمارا قیام ہو۔''

اس حکم کے بعد واضح ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ گھر میں محصور ہو کر رہ گئے حتیٰ کہ نماز کے لیئے بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ یہاں تک کہ واثق کو بھی فرشتۂ اجل نے آلیا۔

واثق کے انتقال کے بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ابتلاء و آزمائش کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ پہلے سے زیادہ عزت و تکریم اور توقیر و تعظیم کے ساتھ درس و تحدیث کی مسند پر جلوہ نشین ہوئے۔ ان کی استقامت، صبر و برداشت اور اٹل قوت فیصلہ نے ان کی قدر و منزلت میں اضافہ کر دیا تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ ایذا رسانوں کو بھی معاف کر دیا۔ آپؒ کہتے تھے کہ:

''میرے مارنے والوں کو جو فوت ہو چکے ہیں میں نے معاف کر دیا ہے۔ اس میں آدمی کا کیا نقصان ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہ دے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی تمام زندگی سچ اور حق کی سر بلندی کیلئے گزری۔

Marfat.com

اگرچہ فقر و فاقہ اور غربت و فلاکت سے آپؒ کی حیات مبارکہ عبارت تھی اور یہ کہ آپؒ نے کبھی بھی بے فکری کی زندگی بسر نہیں کی۔ وہ بھوکے رہنا پسند کرتے تھے مگر کسی کے زیر بار احسان ہونے کو ناگوار سمجھتے تھے۔

''حلیۃ الاولیاء'' میں ہے کہ:

''ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے ہاتھ سے ایک قینچی کنوئیں میں گر پڑی۔ اتنے میں ان کا ایک کرایہ دار آیا۔ اُس نے وہ قینچی کنوئیں سے نکالی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے قینچی لے کر اُسے نصف درہم دیئے تو اس نے یہ کہہ کر رقم لینے سے انکار کر دیا کہ قینچی کی اپنی قیمت ایک قیراط کے برابر ہوگی اس کا معاوضہ کیا لوں؟''

کچھ عرصہ بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس کرایہ دار سے دریافت فرمایا:

''تم پر دکان کا کرایہ کتنے دنوں کا باقی ہے؟''

اُس نے کہا ''تین ماہ کا''۔ اس دکان کا کرایہ تین درہم ماہوار تھا۔ اس طرح اس کے ذمہ 9 درہم واجب الادا تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو یہ تمام کرایہ معاف کر دیا۔ یہ محض اس احسان کا بدلہ چکانا تھا جو اُس نے قینچی کنوئیں سے نکالی تھی۔

حافظ ذہبی نے امام اسحٰق بن راہویہ سے نقل کیا ہے کہ:

''یمن میں عبدالرزاق کے پاس میں اور احمد بن حنبلؒ ساتھ ساتھ تھے۔ میں مکان کے بالائی حصہ میں جبکہ احمد نچلے حصہ میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے پتہ چلا کہ احمد بن حنبلؒ کے پاس پیسے ختم ہو گئے ہیں۔ میں نے کچھ رقم پیش کی لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے سوت کات رہے ہیں۔ وہ اسے جا کر بیچ آئے اور اپنا کام چلایا لیکن کسی کا احسان نہیں لیا۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ محنت مزدوری کرنے میں اپنی توہین نہیں سمجھتے تھے البتہ

Marfat.com

وہ اس بات کا ضرور خیال کرتے تھے کہ کام کی نوعیت جائز اور حلال ہو۔ مزید یہ کہ اسمیں فلاح عامہ کا پہلو نمایاں ہو۔ بعض اوقات حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو قرض بھی لینا پڑتا تھا تو وہ بے دھڑک قرض لینا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ قرض صرف اسی وقت ہی لیتے تھے جب انہیں اس بات کا بخوبی علم ہوتا تھا کہ اس کی ادائیگی قریب الوصول آمدنی سے جلد ہی کر دی جائے گی۔ وہ قرض کے پردہ میں عطیہ کبھی وصول نہیں کرتے تھے۔ جب آپؒ حالتِ سفر میں ہوتے تھے تو پھر قرض نہیں لیتے تھے کیونکہ اس صورت حال میں قرض کی ادائیگی یقینی اور قریبی نہیں ہوتی۔

ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے ایک ہم عصر سے دو تین صد درہم قرض لیئے۔ آپؒ کو یہ علم تھا کہ اس شخص کا مال حلال اور پاکیزہ کمائی کا ہے۔ کچھ عرصہ بعد آپؒ اُسے قرض واپس کرنے گئے تو اُس نے کہا ''یا حضرتؒ! جب یہ رقم میں نے آپؒ کو دی تھی تو یہ نیت کر کے دی تھی کہ واپس نہیں لوں گا۔'' اس پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ''میں نے جب یہ رقم وصول کی تھی تو اس نیت سے کی تھی کہ میں اسے ہر حال میں ضرور واپس کروں گا اس لیئے تمہیں یہ رقم واپس لینا ہو گی۔'' چنانچہ اُس شخص کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے وہ رقم واپس لینا پڑی۔ (حلیتہ الاولیاء جلد نہم صفحہ 175)

غربت اور تنگدستی کے باوجود حضرت امام احمد بن حنبلؒ نہ تو عطیات قبول کرتے تھے اور نہ ہی کسی کا احسان مند ہونا مناسب سمجھتے تھے بلکہ قرض اور رہن میں بھی انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ آپؒ نے کسی کے پاس سونے کی ایک چیز رکھ کر کچھ رقم اُدھار لی۔ کچھ عرصہ بعد جب آپؒ وہ رقم واپس کرنے گئے تو اُس شخص کے پاس آپؒ والی سونے کی چیز کی ہو بہو ایک اور چیز بھی تھی جو کسی اور نے اُس کے پاس رہن رکھی تھی۔ اُس شخص کو یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آپؒ کی چیز کونسی ہے چنانچہ اُس نے دونوں چیزیں آپؒ کے سامنے رکھ دیں اور کہا کہ ''جو آپؒ کی ہو وہ لے لیجئے۔ دوسری چھوڑ جایئے۔'' مگر آپؒ بھی ان دونوں چیزوں میں مشابہت کی بناء پر واضح تمیز نہ کر سکے اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے دونوں میں سے کوئی چیز بھی نہ لی اور واپس لوٹ آئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے کی چیز گھر لے آئیں۔ آپؒ نے اپنا نقصان گوارا کر لیا لیکن

Marfat.com

اپنے فعل وعمل کو شک وشبہ سے بالاتر رکھا۔

تنگ دستی ہوتے ہوئے آپؒ نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں انتہائی فراخدلی کا ہمیشہ مظاہرہ کیا۔ جو کچھ آتا تھا اُسے فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ آپؒ نہ صرف اپنی جائیداد کے کرایہ اور آمدنی کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے بلکہ رہائشی مکان کی بھی زکوٰۃ نکالتے تھے۔ زکوٰۃ نکالنے کے علاوہ بھی جو کچھ آپؒ کے پاس بچ جاتا تھا وہ ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیتے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی سلطانِ وقت کے مال سے مکمل اجتناب کیا۔ ان کے ہدیے اور تحائف وصول کرنے سے مکمل طور پر انکار کیا۔ اور یہ سمجھا کہ ان کے مال کو قبول کرنا اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ نہ صرف ان کے مال کو قبول نہ کیا بلکہ ان کی طرف سے کسی عہدہ کی پیش کش کو بھی یکسر ٹھکرا دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس حوالے سے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا کردار ایک جیسا ہے مگر اسمیں محض اتنا فرق تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنی تجارت کرتے تھے۔ صاحب حیثیت تھے مگر حضرت امام احمد بن حنبلؒ محنت مزدوری کرتے تھے اور اجرت پر کتابت کر کے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔

متوکل نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو ڈھیروں مال و دولت کی پیش کش کی۔ متوکل کے حاشیہ برداروں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ پر زور دیا اور اصرار کیا کہ آپؒ یہ رقم وصول کرلیں۔ بعض نے یہ رائے دی کہ رقم وصول کر کے محتاجوں میں تقسیم فرمادیں مگر آپؒ نے یکسر انکار کر دیا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس بات کے لیئے بھی تیار نہیں تھے کہ اس مال کو ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنی ملکیت میں لائیں اور بعد میں بطور خود صدقہ کردیں۔ آپؒ کو کرایہ کی صورت میں جو قلیل سی آمدنی ہوتی تھی اُسے وہ رب رحمٰن ورحیم کا فضل وکرم سمجھ کر خرچ کرتے تھے اور اسی کے اندر ہی رہ کر اخراجات پورے کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی اس حد درجہ احتیاط اور پرہیزگاری کو دیکھ کر آپؒ

Marfat.com

کے مخالفین نے خلیفۂ وقت متوکل کو بھڑکایا کہ ''احمد بن حنبلؒ تو خلافت کا دشمن اور خلیفہ کا مخالف ہے۔'' چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ متوکل کے ایک وزیر نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے کہا:

> ''امیر المومنین نے آپؒ کی خدمت میں تحفہ کی رقم بھیجی ہے۔ وہ آپؒ کو اپنے دربار میں شرف باریابی بخشنا چاہتے ہیں۔ اللہ کے لیئے ایسا نہ کیجئے گا کہ آپؒ نہ آئیں اور مال واپس کر دیں۔ اگر ایسا کیا تو وہ لوگ جو آپؒ سے بغض وعناد رکھتے ہیں اور آپؒ کے خلاف خلیفہ کو بھڑکاتے رہتے ہیں سچے ثابت ہوں گے۔'' (المناقب لابن جوزی)

یہ بات سن کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ مجبور ہو گئے کہ رقم قبول کر کے حاسدین شہر کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیں۔ چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس رقم کو خود ہاتھ نہیں لگایا بلکہ اپنے صاحبزادے صالحؒ کو حکم دیا کہ اسے لے لیں اور صبح ہوتے ہی حاجت مندوں میں فوری طور پر تقسیم کر دیں۔ اس پر خلیفہ متوکل آپؒ کی طرف سے مطمئن ہو گیا۔ اُس نے چغل خوروں اور حاسدین کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے خلاف بولنے سے سختی کے ساتھ روک دیا۔ اُس نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ وہ اُس کے عطیات کو قبول کریں یا رد کریں وہ بُرا نہیں مانیں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خلیفہ متوکل نے ایک ہزار دینار حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں بھیجے تاکہ وہ اس رقم کو حاجت مندوں میں تقسیم کر دیں تو آپ نے رقم واپس کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں اپنے گھر میں لوگوں سے منقطع ہو کر بیٹھ گیا ہوں اور خلیفہ نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ جو بات مجھے اچھی نہ لگے وہ نہ کروں۔ اس لیئے میں یہ رقم لینا ناپسند کرتا ہوں اور اسے واپس کرتا ہوں۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اپنے رشتہ داروں، قرابت داروں اور اولاد کو بھی اس

Marfat.com

بات سے منع فرماتے تھے کہ وہ خلیفہ سے عطیات قبول کریں۔ آپؒ نے انہیں اس فعل سے باز رکھنے کی از حد کوشش کی لیکن انہوں نے ان کی یہ بات نہ مانی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ان سے فرمایا کرتے تھے:

''یہ مال تم کیوں لیتے ہو جبکہ سرحدیں معطل اور غیر آباد ہیں اور فئے کی رقم مستحق لوگوں میں تقسیم نہیں ہو رہی۔''

جب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند اور دوسرے قرابت دار خلیفۂ وقت کے عطیات قبول کرنے سے باز نہ آئے تو آپؒ نے ان کا مقاطعہ کر دیا۔ ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو معلوم ہوا کہ دستر خوان پر جو روٹی سامنے رکھی گئی ہے یہ اُن کے اُس فرزند کے گھر سے آئی ہے جو خلیفۂ وقت کے عطیات قبول کرتا ہے آپؒ نے وہ روٹی کھانے سے انکار کر دیا۔ حاسدینِ شہر نے یہ بات خلیفۂ وقت تک پہنچائی مگر وہ ناراض نہ ہوا۔

ان واقعات کا یہ مفہوم مطلقاً نہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ خلفاء کے عطیات کو حرام سمجھتے تھے۔ البتہ وہ ان کے مال و دولت کو مشکوک سمجھتے تھے۔ اور ان کی پاکیزگی نفس کو یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ مشکوک چیز کو استعمال میں لائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ صرف وہ مال ان کے تصرف میں آئے جس کے بارے میں انہیں کامل یقین ہو کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اعلیٰ صفات سے متصف ہونے کے باعث شہرت اور ہر دلعزیزی کا سبب بنے۔ ان کی تمام تر زندگی حصول علم اور تدریس علم میں گزری۔ علم کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے حسن عمل سے بھی نام پیدا کیا۔ ان کی سب سے اہم اور نمایاں خوبی قوت حافظہ تھی جسمیں وہ کمال رکھتے تھے۔ احمد بن سعید الرازی کہتے ہیں:

''میں نے کسی نوجوان کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پختہ مغز حافظ اور فقہ کا نکتہ رس عالم حضرت احمد بن حنبلؒ سے زیادہ نہیں دیکھا۔''

رب رحمٰن و رحیم نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو قوت حافظہ کی صفت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی۔ خود حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں وکیع سے ثوریؒ کی احادیث یاد کیا کرتا تھا۔ جب وہ عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد سے گھر کی طرف جانے لگتے تھے تو میں ان سے دس کے قریب احادیث سن لیا کرتا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہو جاتے تھے تو مجھے طالبان حدیث کی فرمائش پر انہیں وہ احادیث املا کرانے میں خوشی محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ میں جب املاء کراتا تھا تو وہ لکھ لیتے تھے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے ایک معاصر حافظ علی بن المدینی فرماتے ہیں:

''ہم میں احمد بن حنبلؒ سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں ہے۔ میں انہیں 50 سال سے جانتا ہوں۔ اس مدت میں ان کی یہ خوبی بڑھتی ہی رہی ہے۔''

عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے:

''حضرت سفیان ثوریؒ کی روایت کردہ احادیث کا سب سے بڑا عالم احمد بن حنبلؒ ہے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ صرف اچھے حافظ ہی نہیں تھے بلکہ تفسیر، فقہ اور استنباطِ مسائل میں بھی کمال مہارت رکھتے تھے۔ حضرت امام اسحٰق بن راہویہ کا بیان ہے کہ:

''میں عراق میں احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ اور دوسرے علمائے حدیث کی مجالس میں بیٹھا کرتا تھا۔ ہم لوگ حدیث کو ایک، دو یا تین طریقوں سے زیر بحث لاتے تھے۔ میں جب کسی حدیث کے بارے میں یہ سوال کرتا تھا کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟ اسمیں فقہ کا کونسا مسئلہ نکلتا ہے تو سوائے احمد بن حنبلؒ کے سب خاموش ہو جاتے تھے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ پر رب رحمٰن و رحیم کی خاص عنایت تھی۔ آپؒ فن حدیث و فقہ اور آثار سلف کے ماہر تھے۔ آپؒ کے ایک شاگرد ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ:

''میں نے تین آدمی ایسے دیکھے کہ ان کا مثل میری نظر سے

نہیں گزرا۔ میں نے ابو عبید قاسم بن سلام کو دیکھا۔ وہ علم کا پہاڑ تھے جسمیں روح پھونک دی گئی تھی میں نے بشر بن حارث کو دیکھا۔ میں انہیں ایسے شخص سے تشبیہ دے سکتا ہوں جو از فرق تا بہ قدم عقل ہی عقل تھے۔ میں نے احمد بن حنبلؒ کو دیکھا تو میں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا رب کائنات نے ان میں تمام علماء کا علم جمع کر دیا ہے۔" (تاریخ ذہبی)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ صبر جمیل میں اوج کمال پر تھے۔ صرف خدا پر بھروسہ رکھنے کی صفت نے ان میں ایک خاص قوتِ صبر و ضبط پیدا کر دی تھی۔ وہ اپنے ساتھ ہر زیادتی کرنے والے کو اسی لمحے معاف کر دیتے تھے۔ تواضع و انکساری کے مرقع تھے۔ آپؒ کے ایک شاگرد امام مروزی بیان کرتے ہیں کہ:

"کسی کم مایہ آدمی کو میں نے کہیں بھی اتنا معزز نہیں دیکھا جتنا احمد بن حنبلؒ کی مجلس میں دیکھا۔ وہ ایسے لوگوں کی طرف جان و دل سے مائل رہتے تھے اور اہل دنیا سے گریز کرتے تھے۔ ان میں بُردباری تھی۔ وہ جلد باز نہیں تھے۔ بہت ہی متواضع تھے۔ وقار و تمکنت کا حسین نمونہ تھے۔ نماز عصر کے بعد جب وہ مسند افتاء پر بیٹھتے تھے تو اس وقت تک خاموش رہتے تھے جب تک ان سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔ جب مسجد میں جاتے تھے تو آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جاتے تھے۔"

(المناقب الابن جوزی صفحہ 123)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی عفت نفس اور نزاہت طبع حد بیان سے باہر تھی۔ ان کے زہد کی بنیاد طلب حلال پر تھی۔ ابو حفص عمر بن صالح الطرسوس سے منقول ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ:

"میں ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس گیا اور ان

سے سوال کیا کہ گداز قلب کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟''
حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ''گداز قلب صرف اکل حلال سے پیدا ہوسکتا ہے۔'' اس کے بعد میں ابونصر بشر بن حارث کے پاس گیا۔ ان سے بھی میں نے یہی سوال کیا۔ انہوں نے کہا ''الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب یعنی خدا کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔'' میں نے عرض کیا ''میں ابھی ابھی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ ان سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ گداز قلب اکل حلال سے پیدا ہوتا ہے۔'' ابونصر بشر بن حارث نے کہا ''امام احمد بن حنبلؒ نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔'' پھر میں عبدالوہاب بن ابی الحسن کے پاس گیا۔ ان سے بھی میں نے وہی سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا ''خدا کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔'' میں نے عرض کی ''یہی بات میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھی تھی تو انہوں نے کہا کہ گداز قلب اکل حلال سے پیدا ہوتا ہے۔'' یہ سن کر عبدالوہاب بن ابی الحسن نے کہا ''احمد بن حنبلؒ نے جو بات بتائی ہے وہ اصل اور جوہر ہے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ جدل و مناظرہ سے پرہیز کرتے تھے۔ بحث مباحثہ سے دُور رہتے تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو بھی جدل و مناظرہ سے روکا کرتے تھے تاکہ ایمان کی نزاہت قائم و دائم رہے اور شک و شبہ سے دُوری رہے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو کلام سے دلچسپی رکھتا ہو تو اُس سے کنارہ کشی اختیار کرو۔''

(تاریخ الذہبی صفحہ 22)

ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک خط لکھ کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ کیا اہل کلام سے مناظرہ کرنا چاہیئے؟ آپؒ نے اُسے جواب میں لکھا:

"اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری عاقبت سنوارے۔ ہم نے جو کچھ سنا ہے اور جو کچھ پایا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف فن کلام کو ناپسند کرتے تھے۔ اصل بات تسلیم و رضا ہے کتاب اللہ کے سامنے۔ اس سے تجاوز کبھی نہیں کرنا چاہیئے۔"

اس طرح اس معاملے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک وہی تھا جو حضرت امام مالکؒ کا تھا۔ حضرت امام مالکؒ بھی معاملاتِ دین میں جدل و مناظرہ کا طریقہ ناپسند فرماتے تھے۔ وہ ان چیزوں کو دین کی حقیقت اور روح کے خلاف قرار دیتے تھے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہ مسلک نہیں تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ مجادلہ و مناظرہ کر کے مخالفین کے دلائل کی بنیادیں ہلا دیتے تھے اور ان کے لیئے راہ فرار بند کر دیتے تھے جبکہ حضرت امام شافعیؒ حریف مقابل کا پوری شدت سے مقابلہ کرتے تھے لیکن ان کا یہ مناظرہ محض غلبہ حاصل کرنے کے لیئے نہیں بلکہ طلبِ حق کے لیئے ہوتا تھا۔ بہر حال چاروں ائمہ کرام اس بات کے قائل تھے کہ اصل منبع و ماخذ قرآن کریم اور مستند احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہی کی روشنی میں مسلمان اپنی حیاتِ ناپائیدار کو پائیدار بنا سکتا ہے اور دنیاوی و اخروی زندگی سنوار سکتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ ہر مسئلہ کا حل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکالیں۔ اپنی تمام تر فقہ میں آپؒ صرف رسول رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہی کی پیروی کرتے تھے۔ دوسرے افکار و آراء سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ آپؒ کے فقہ کی بنیاد محض وہ مسائل تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ سے مروی ہیں۔ وہ اپنی فقہ میں پوری کوشش کرتے تھے کہ کسی ایسی حدیث کو رد نہ کریں جسے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت دی گئی ہو۔ آپؒ کا فرمان ہے:

"جو شخص ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث رد کرتا ہے وہ ہلاکت کے کنارے کھڑا ہے۔"

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو جب کبھی ایسی مشکل پیش آتی کہ حدیث یا سنت نہ

Marfat.com

ملتی تو آپؒ اجتہاد سے کام لیتے تھے لیکن یہ اجتہاد بھی منہاج سلف پر ہوتا تھا۔ آپؒ ایسے اجتہاد سے روکتے تھے جس کے بارے میں سابق میں کہیں کوئی قول نہ ملتا ہو، یا اسلاف میں سے کسی کا نقش قدم نظر نہ آتا ہو۔ آپؒ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے:

''خبردار! کسی ایسے مسئلہ پر سخن طرازی نہ کرنا جسمیں تمہارا کوئی امام اور رہبر نہ ہو۔''

رب رحمٰن و رحیم نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو علم قرآن و سنت کی تحصیل و طلب میں اخلاص کی نعمت وافر مقدار میں عنایت کی تھی۔ آپؒ سمجھتے تھے کہ ہدایت اسی دل میں اپنا نشیمن بناتی ہے جو اخلاص کے نور سے مزین و منور ہو۔ اس کی پسند اور ناپسند کا معیار رب ذوالجلال کی خوشنودی اور ناخوشنودی بن جائے۔ علم کی طلب جدل و مباحثہ کے لیئے نہ ہو نہ قدر و منزلت اور شہرت و عزت کے حصول کے لیئے ہو بلکہ حق کی جستجو اور نور ہدایت کے لیئے ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ شہرت و ناموری سے دُور بھاگتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے:

''میں چاہتا ہوں کہ مکہ مکرمہ جا کر وہاں کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں چھپ کر بیٹھ رہوں تا کہ کسی کو میرا پتہ نہ چلے۔''

ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے استاد گرامی امام شافعیؒ نے خلیفۂ وقت سے کہا ''یمن میں ایک قاضی کی ضرورت ہے۔ اس کا تقرر کیا جانا چاہیئے۔'' خلیفۂ وقت نے حضرت امام شافعیؒ کو جواب دیا ''اعلٰحضرت! قاضی کا انتخاب آپؒ سے بہتر کون کر سکتا ہے۔ آپؒ نام تجویز فرمایئے ابھی تقرر جاری ہو جائے گا۔'' حضرت امام شافعیؒ نے کہا ''میں اس کے لئے کوشش کرتا ہوں کہ آپؒ کو ایک بہتر شخص کا نام تجویز کر سکوں۔''

خلیفۂ وقت سے رخصت کی اجازت کے بعد حضرت امام شافعیؒ نے اپنے مکتب پہنچ کر اس بات کا تذکرہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے کیا اور کہا کہ ''اے احمد بن حنبلؒ! میں اس عہدہ کے لئے آپؒ سے بہتر کسی اور کو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے تم چاہو تو یہ عہدہ

Marfat.com

قبول کر کے کام جاری کر دو۔"

یہ وہ دور تھا جب حضرت امام احمد بن حنبلؒ ابھی طالب علم تھے اور طلب احادیث میں حضرت امام شافعیؒ کے حلقۂ درس میں حاضری دیا کرتے تھے۔ حضرت امام شافعیؒ کی تجویز پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:

"یا حضرتؒ! میں آپؒ کے پاس علم حاصل کرنے آتا ہوں۔ اس لئے نہیں آتا کہ آپؒ میرے لئے قاضی کا منصب تجویز کریں۔ میں یہ عہدہ کسی صورت بھی قبول نہیں کروں گا۔ میری طرف سے اس بارے میں مکمل انکار ہی سمجھیں۔" (بیہقی)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے دوسرے بیٹے عبداللہ کا بیان ہے کہ:

"ایک دفعہ والد محترم حضرت امام احمد بن حنبلؒ معسکر میں 16 دن خلیفۂ وقت کی درخواست پر اس کے ساتھ قیام پذیر رہے مگر دوسرے کا زیر بار احسان نہ ہونے کا یہ عالم تھا کہ ایک دن بھی اس کا کھانا نہ کھایا۔ ان 16 دنوں میں صرف ایک دن افطار کے وقت کچھ ستو نوش جان کئے۔ اس واقعہ کے بعد آپؒ کی جسمانی قوت از حد کمزور ہوگئی۔ آپؒ ایک ماہ تک مضمحل رہے۔ دونوں پوٹے بالکل اندر کی طرف دھنس گئے اور نظام تنفس متزلزل ہو گیا۔"

ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا زیب تن لباس انتہائی بوسیدہ ہو کر جگہ جگہ سے پھٹ گیا تو آپؒ اپنے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ لوگوں نے آپؒ کو بہت تلاش کیا۔ بالآخر انہیں پتہ چلا کہ آپؒ گھر کے اندر موجود ہیں۔ لوگوں کے پوچھنے پر آپؒ نے اپنی حالت بیان کی تو انہوں نے آپؒ کو رقم دینا چاہی تاکہ آپؒ لباس خرید سکیں مگر آپؒ نے کسی قسم کا پیسہ لینا معیوب سمجھتے ہوئے یکسر انکار کر دیا۔ تاہم آپؒ نے ایک شخص سے ایک دینار اس شرط پر لیا کہ وہ آپؒ سے کتابت کرائیں۔ آپؒ نے کتابت کر کے ایک دینار حاصل کرنے کے بعد اسی کے ہاتھ بازار سے کپڑا منگوایا جس کے دو حصے کر کے ایک تہہ بند کے طور پر اور دوسرا قمیص کے طور پر لپیٹ لیا اور پھر اس کے بعد آپؒ گھر سے باہر آئے۔

(تاریخ ابن عساکر جلد دوم صفحہ 36)

Marfat.com

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے صالح بیان کرتے ہیں کہ:

''میرے والد مکرم حضرت امام احمد بن حنبلؒ وضو کرنے کے لئے پانی کبھی کسی دوسرے سے نہیں منگواتے تھے بلکہ ڈول اپنے ہاتھوں سے کنوئیں میں ڈالتے اور جب وہ بھرا ہوا نکلتا تو الحمدللہ کہتے اور پھر اس پانی سے وضو فرما کر رب ذوالجلال کی عبادت وریاضت میں ہمہ تن مشغول ومستغرق ہو جاتے۔''

جس دور میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی علمی ودینی شہرت ووقعت اوج وعروج پر تھی اور ان کی شخصیت، علمیت، زہد وتقویٰ اور عمل صالح کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہاتھ میں دوات لئے کسی محدث کی مجلس درس وتدریس میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس شخص نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے کہا:

''یا حضرتؒ! آپؒ تو علم کے ارفع تر مقام پر فائز ہو چکے ہیں۔ آپؒ امام المسلمین ہیں۔ اس کے باوجود محفل درس میں پڑھنے جا رہے ہیں۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے جب اس شخص کی یہ بات سُنی تو فرمایا:

''محبرہ (دوات) کے ساتھ مقبرہ تک'' یعنی ''علم کا حصول تو دوات کے ساتھ قبرستان تک جاری رہتا ہے۔''

محمد بن اسماعیل صائغ کا بیان ہے کہ ''میں ایک مرتبہ اپنے والدمحترم کے ہمراہ بغداد گیا۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ طالب علم بن کر حلقۂ درس کی طرف تیزی کے ساتھ دوڑے جا رہے تھے۔ میرے والدمحترم نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا کہ کب تک طالب علمی میں رہو گے؟ کیا آپؒ کو ان بچوں کے ساتھ دوڑتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوتی؟ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ علم کا حصول موت تک رہے گا۔ یہ کہا اور چلتے بنے۔'' (مناقب الامام احمد صفحہ 23)

وکیع بن جراح کا معمول تھا کہ رات کے وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس آتے تھے اور دونوں مل کر احادیث پر تبادلہ خیالات کرتے تھے۔ ایک رات وکیع بن جراح تشریف لائے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے دروازہ پر ہی باہر ٹھہر گئے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو آواز دی۔ اندر سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ باہر آئے تو

Marfat.com

دونوں حضرات دروازہ پر ہی احادیث کے متعلق مذاکرہ کرنے لگے۔ وکیع بن جراح نے کہا ''اے احمد بن حنبلؒ! میں آپؒ کے سامنے حضرت سفیان بن عُیینہ کی بیان کردہ احادیث رکھتا ہوں۔'' حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ''ٹھیک ہے حضرت سفیان بن عُیینہ کی روایت کردہ احادیث بیان کرو۔'' چنانچہ وکیع بن جراح نے احادیث بیان کیں اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بتایا کہ یہ احادیث مجھے اسی طرح یاد ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے وکیع بن جراح سے پوچھا ''کیا آپؒ کو حضرت سلمہ بن کہیل کی احادیث یاد ہیں؟'' اسی طرح دونوں حضرات دروازہ پر کھڑے کھڑے ہی احادیث کے بارے میں مذاکرہ کرتے رہے اور اس گفتگو میں اس قدر محو ہوئے کہ صبح ہو گئی۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ جلد دوم صفحہ 28)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ بعمر 40 سال تک تحصیل و تکمیل میں مصروف رہے۔ اس کے بعد آپؒ نے باقاعدہ مجلس درس قائم کی اور فتوے دینا شروع کئے۔ اس سے پہلے بوقت ضرورت تو یہ خدمت سرانجام دیتے تھے مگر باقاعدہ حلقۂ تدریس 40 سال کی عمر میں قائم کیا۔ اس کے باوجود بھی حضرت امام احمد بن حنبلؒ اساتذہ کی زندگی میں ان کی مرویات کی روایت سے اجتناب کرتے تھے۔ اور طلباء کو ہدایت کرتے تھے کہ تم لوگ براہ راست ان حضرات کے پاس جا کر احادیث سنو۔ (مناقب الامام احمد صفحہ 188)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس درس میں اہل علم اور عوام الناس دونوں کثیر تعداد میں شریک ہو کر مستفید ہوتے تھے۔ اہل علم حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے حدیث کا درس لیتے تھے جبکہ عوام الناس حسن عمل، حسن معاشرت اور ادب سیکھتے تھے۔ حسن بن اسمٰعیل اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ:

''حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس درس میں 5 ہزار سے زائد لوگ جمع ہوتے تھے۔ ان میں سے کم و بیش 500 اہل علم آپؒ سے احادیث سُن کر لکھتے تھے جبکہ باقی لوگ آپؒ سے اخلاق و عادات اور ادب آداب سیکھتے تھے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اپنے عزیز طلباء کے ساتھ انتہائی خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ ان کے آرام و راحت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے مگر استاد اور شاگرد کے

Marfat.com

مابین فاصلہ سنٹی میٹر کے حساب سے رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ کا رعب اور ہیبت ہر طالب علم پر طاری رہتی تھی اور یہ رعب و ہیبت آپؒ کے علم کی وسعت اور اصول وضوابط پر سختی سے کاربند رہنے کی وجہ سے تھی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ دوسرے محدثین کو بھی تلقین کرتے تھے کہ وہ اپنے طلباء کے آرام وراحت کا مکمل خیال رکھیں۔ حضرت ہارون بن عبداللہ حمال کا بیان ہے کہ ''ایک مرتبہ رات کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ میرے مکان پر آئے سلام ودعا کے بعد میں نے آپؒ سے ناوقت آنے کا سبب دریافت کیا تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بتایا کہ وہ میرے حلقۂ درس سے صبح کے وقت گزرے تو دیکھا کہ میں سایہ میں بیٹھا حدیث بیان کر رہا ہوں جبکہ طلباء دھوپ میں بیٹھے ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے مجھے تلقین کی کہ میں دوسری بار ایسا نہ کروں بلکہ درس کے وقت طلباء کے ساتھ ہی بیٹھوں۔''

(تذکرۃ الحفاظ جلد دوم صفحہ 57)

محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ ''ہم لوگ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی جلالت شان اور ان کے علمی ودینی رعب کی وجہ سے کسی معاملہ میں ان سے بحث کرنے سے خوف کھاتے تھے۔'' ابوعبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ ''میں قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی کی مجالس درس میں بیٹھ چکا ہوں مگر ان میں سے کسی کا رعب اور خوف مجھ پر اتنا زیادہ طاری نہیں ہوا جتنا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا رعب اور خوف طاری ہوا۔'' ابو داؤد کا بیان ہے کہ ''حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مجالس آخرت کی مجالس ہوتی تھیں۔ ان میں کبھی بھی آپؒ دنیا کا ذکر نہیں فرماتے تھے۔ میں نے ان کو کبھی بھی دُنیا کا نام لیتے نہیں سنا۔ 200 سے زائد مشائخ سے میری ملاقات ہو چکی ہے مگر ان کی مانند کسی کو نہیں دیکھا۔ عوام جن دنیاوی باتوں میں مشغول رہتے ہیں میں نے ان کو کبھی ایسی باتوں میں مشغول نہیں پایا البتہ علمی تذکرہ ہوتا تھا تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کھل کر گفتگو فرماتے تھے۔''

(تاریخ ابن عساکر جلد دوم صفحہ 34)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے شاگردوں کی تعداد کئی ہزار تک پہنچی ہے جن میں

چھوٹے، بڑے سبھی شامل تھے۔ ان میں خاص طور پر حضرت عبدالرزاق صنعانی، حضرت اسمعیل بن علیہ، حضرت وکیع بن جراح، حضرت عبدالرحمن بن مہدی، حضرت معروف کرخی، حضرت علی بن مدینی جیسے حضرات شامل ہیں۔ ابن جوزی نے ''مناقب الامام احمد بن حنبلؒ '' میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے تلامذہ کی فہرست حروف تہجی کے لحاظ سے صفحہ 90 سے صفحہ 106 تک دی ہے جس میں 5 خواتین بھی شامل ہیں۔ ان میں حضرت ابوالقاسم بغوی آخری شاگرد ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ مسند افتاء پر فائز ہوئے تو آپؒ نے اس کی بنیاد چند اصول وضوابط پر رکھی تا کہ کسی بھی فتویٰ کے جاری کرنے میں آسانی ہو۔ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں بیان کیا ہے کہ فقہ وفتویٰ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ 5 اصولوں پر کاربند رہتے تھے اور انہی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر فقہ وفتویٰ کی گتھیاں سلجھاتے تھے۔

آپؒ کا پہلا اصول نصوص قطعیہ ہیں۔ آپؒ واضح نص کے ہوتے ہوئے کسی کے قول کو نہیں لیتے تھے۔ آپؒ کا دوسرا اصول یہ تھا کہ آپؒ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کو بنیاد بناتے تھے۔ جب آپؒ کو صحابہ کرامؓ کا کوئی قول مل جاتا تھا جس کے مخالف کسی دوسرے صحابیؓ کا قول نہیں ہوتا تھا تو اس پر عمل کرتے تھے اور کسی دوسرے کے عمل، رائے یا قیاس کو نہیں دیکھتے تھے۔ آپؒ کا تیسرا اصول یہ تھا کہ جب صحابہ کرامؓ کے اقوال مختلف ہوتے تھے تو جو قول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے قریب تر ہوتا تھا اس کو قبول کرتے تھے اور اگر صحابہ کرامؓ کے مختلف اقوال میں کتاب وسنت سے قربت کا پتہ نہیں چلتا تھا تو اختلاف بیان کر دیتے تھے اور کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ آپؒ کا چوتھا اصول یہ تھا کہ جب ان تینوں اصولوں میں کوئی واضح بات نہیں ملتی تھی تو مُرسل حدیث اور ضعیف حدیث کو لیتے تھے اور اُس کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ ضعیف سے مُراد آپؒ کے نزدیک باطل اور منکر حدیث نہیں تھی اور نہ ہی وہ حدیث تھی کہ جس کے راویوں میں کوئی متہم ہو بلکہ آپؒ کے نزدیک ضعیف حدیث بھی حدیث حسن کی ایک قسم ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں نہ کسی صحابی کا قول ہو اور نہ اجماع ہو تو ایسی صورت حال میں ضعیف حدیث کو قیاس پر فوقیت دیتے تھے۔ آپؒ کا پانچواں اصول یہ تھا کہ جب کسی

Marfat.com

مسئلہ میں نص، قول صحابیؓ اور مُرسل وضعیف حدیث نہ ہوتو قیاس سے کام لیتے تھے اور وہ بھی صرف انتہائی ضرورت کے وقت لیتے تھے۔

ابن ہانی کا بیان ہے کہ:

''میں نے ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا جس میں ارشاد ہوا ہے کہ

''تم میں سے جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ جری ہے وہ نار جہنم پر زیادہ جری ہے''

اس پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ ''اس سے مراد وہ شخص ہے جو ایسی بات کا فتویٰ دے جس کو سُنا نہیں ہے۔'' اس کے بعد میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے یہ سوال کیا کہ ''جو شخص ایسے مسئلہ میں فتویٰ دے جس میں مشکلات ہوں اور وہ ان کے حل سے عاجز ہو تو اس بارے میں آپؒ کی رائے کیا ہے؟''

اس سوال کے جواب میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ''اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا''

ابو داؤد کا بیان ہے کہ ''بہت سے ایسے مسائل جن میں اختلاف ہے ان کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ فوراً کہہ دیتے تھے کہ ''لا ادری'' یعنی کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ آپؒ کے صاحبزادے عبداللہ کا بھی یہی بیان ہے کہ اُن کے والد مکرم حضرت امام احمد بن حنبلؒ بہت سے مسائل میں ''لا ادری'' کہہ دیتے تھے اور ہدایت کرتے تھے کہ کسی دوسرے سے معلوم کرلو مگر کسی خاص عالم کا نام نہیں لیتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد اوّل صفحہ 25)

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا ''میرا والد کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ آپؒ ہی فرمایئے کہ میں کیا کروں؟'' حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اُس شخص سے کہا ''تم اپنی بیوی کو قطعاً طلاق نہ دو۔'' آپؒ کے اس جواب پر اُس شخص نے کہا ''کیا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ سے نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں؟'' یہ سُن کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: --

Marfat.com

''جب تمہارا والد حضرت عمر فاروقؓ جیسا بن جائے گا تو تم بھی
یہ کام کر لینا۔''

امام ابن قیم نے اپنی کتاب ''احکام الذمہ'' میں لکھا ہے کہ:
''ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ جو ذمّی عشر وصول کرنے والے کے پاس سے گزرے تو کتنے مال میں اُس سے عشر وصول کرنا چاہئیے؟ آپؒ نے فرمایا کہ جب اُس ذمّی کے پاس اتنا سامان تجارت ہو کہ اُس کے نصف میں مسلمان سے عشر وصول کیا جاتا ہے تو اُس سے عشر وصول کرنا چاہئیے جبکہ دوسرے سال اُس سے عشر نہیں لیا جائے گا۔''

ایک بار حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا گیا کہ ''متوکل سے کیا مُراد ہے۔ کس شخص کو متوکل کہا جائے گا؟''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ''متوکل اس شخص کو کہیں گے جو غیر اللہ سے ہر قسم کی توقعات کو منقطع کر دے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا ''کیا اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟'' آپؒ نے فرمایا ''جی بالکل! جب حضرت ابراہیمؑ منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالنے کے لئے اوپر پھینکے گئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین و آسمان کے درمیان حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا ''اے ابراہیمؑ! کیا آپ کو کسی قسم کی کوئی ضرورت ہے؟'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ''لیکن تم سے نہیں'' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا ''اے ابراہیمؑ! تو پھر آپ اُسی سے کہیں جس سے کہنا چاہتے ہیں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ''رب العزت دلوں کے حال بہتر جانتا ہے اور میرے نزدیک وہی امر پسندیدہ ہے جو میرے رب تعالیٰ کو پسند ہے۔''

امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ
''حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ اس کی ماں ایک عرصہ سے بیمار ہے۔ تقریباً 20 برس سے فالج کے مرض میں مبتلا ہے۔ اُس نے مجھے آپؒ کے پاس دُعا کے لئے بھیجا ہے۔ ازراہ لطف وکرم میری والدہ کی صحت یابی کے

Marfat.com

لئے دُعا فرما دیجئے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کچھ خفا ہوئے اور فرمایا کہ میں تو خود دعاؤں کا محتاج ہوں میں کیا دُعا کروں گا۔ اُس شخص کے ازحد اصرار پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بالآخر دُعا کے لئے رب رحمٰن ورحیم کی بارگاہ میں ہاتھ بلند کر دیئے اور اس شخص کی والدہ کی صحت یابی کی دُعا کی۔ وہ شخص اس کے بعد جب واپس گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی ماں اپنے پیروں سے چل کر دروازہ کھولنے آئی۔ اس کی فالج زدہ ٹانگیں درست ہو چکی تھیں۔ اس کی والدہ نے بتایا کہ رب غفور ورحیم اور ذات قادر وقدیر نے اُسے اس مرض سے نجات دے دی ہے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اگرچہ حد درجہ عبادت وریاضت کرتے تھے مگر اپنی تمام تر عبادت وریاضت کو نہایت ہی کم خیال کرتے تھے۔ آپؒ یہ قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے کہ لوگوں کو ان کی عبادت وریاضت اور تقویٰ وپرہیزگاری کا علم ہو۔ آپؒ اپنی کوئی خوبی بتانے سے حد درجہ پرہیز کرتے تھے۔ آپؒ لوگوں میں سب سے زیادہ باحیا، بہت زیادہ کریم النفس اور حسن معاشرت کا حسین اور بے بدل نمونہ تھے۔ ذکر اللہ اور اسوۂ رسولؐ کی اتباع کے علاوہ انہیں کوئی فعل پسند نہیں تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ زہد وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ دُنیا و ارباب دُنیا سے بے تعلقی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا شعار تھا۔ آپؒ اس وصف میں اپنے تمام معاصرین سے سب سے آگے تھے۔ خوردونوش، لباس اور زندگی کے ہر معاملہ میں سادگی، کفایت شعاری اور پرہیزگاری پیش نظر رہتی تھی۔ دُنیا اور اہل دُنیا سے بے تعلقی کا حال یہ تھا کہ امراء وحکام اور ارباب منصب وجاہ کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اگرچہ اپنے والد کے چھوڑے ہوئے مکان میں رہائش پذیر تھے اور چھپائی کا ایک کارخانہ جو آپؒ کے والد نے چھوڑا تھا اس کے کرایہ پر گزر اوقات کرتے تھے تاہم جب تنگدستی ہو جاتی تھی تو آپؒ مزدوری کر کے خرچہ پورا کرتے تھے۔ آپؒ کے رہائشی مکان کا صحن چونکہ بہت بڑا تھا اس لئے اس میں کاشت کاری کر کے سال بھر کا غلہ پیدا کر لیتے تھے۔ اس پیداوار میں سے عُشر وغیرہ اسی حساب سے نکالتے تھے جو حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی زمین پر مقرر کیا تھا یعنی فی جریب

ایک درہم اور ایک بورا غلہ فی سبیل اللہ نکالتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کھانے پینے میں نہایت سادگی اور لباس میں کفایت شعاری اس طور کرتے تھے کہ جو علمی اور دینی وقار کے مجروح ہونے سے محفوظ رکھے۔

محمد بن عباس بن ولید نحوی اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ ''میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو دیکھا ہے۔ آپؒ نہایت خوبصورت، میانہ قد کے تھے۔ حنا کا خضاب استعمال کرتے تھے جو بہت زیادہ سُرخ نہیں ہوتا تھا۔ آپؒ عمامہ بھی باندھتے تھے۔ آپؒ کے کپڑے عام طور پر سفید روئی کے ہوتے تھے۔ نہ بہت زیادہ موٹے اور نہ بہت زیادہ باریک۔

ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ خلیفہ متوکل کے ہاں گئے۔ اُس نے اپنی والدہ سے کہا ''حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی آمد سے ہمارا گھر منور ہو گیا لہٰذا خوشی و مسرت کے اس موقع پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو لباس فاخرہ پہنایا جائے۔'' چنانچہ جب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو لباس فاخرہ پہنایا گیا تو آپؒ رو پڑے۔ اس موقع پر آپؒ نے کہا:

''میں عمر بھر ان لوگوں سے بچتا رہا اور جب موت کا وقت
قریب آیا تو مصیبت میں پڑ گیا۔ خدا خیر کرے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خلیفہ متوکل کے گھر سے باہر نکلتے ہی لباس فاخرہ اُتار پھینکا اور اپنے سادہ لباس میں اپنے گھر پہنچے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اپنی والدہ کی تعظیم و تکریم اور خدمت گزاری وجہ سعادت اور نجات سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی والدہ ماجدہ کے پاس نئے کپڑے نہیں تھے۔ زیب تن کپڑے انتہائی بوسیدہ اور شکستہ ہو چکے تھے۔ اسی زمانہ میں زکوٰۃ کی رقم آئی تو لوگوں نے کہا ''یا حضرت! آپؒ اس میں سے کچھ رقم لے کر اپنی والدہ محترمہ کے لئے نئے کپڑے تیار کروالیں۔'' آپؒ نے فوراً جواب دیا ''لوگوں کے مال کے میل سے خستہ حالی بہتر ہے کیونکہ یہ دُنیا چند روزہ ہے اور جلد ہی یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔ اس لئے میں زکوٰۃ کی رقم سے ایک پائی بھی نہیں لوں گا۔ جب میرے

Marfat.com

پاس رب رزاق کی طرف سے اپنی کمائی کی رقم اکٹھی ہو گی تو پھر اپنی والدہ کو کپڑے خرید دوں گا۔‘‘(طبقات شعرانی جلد اوّل صفحہ 174)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ انتہائی سادہ، معمولی اور کم مگر پاکیزہ غذا استعمال کرتے تھے۔ اس سے آپؒ کا مقصد محض جسمانی، علمی اور روحانی طاقت بحال رکھنا تھا۔ آپؒ کے صاحبزادے صالح کا بیان ہے کہ ’’میں اکثر اوقات دیکھتا تھا کہ میرے والد محترم حضرت امام احمد بن حنبلؒ روٹی کے سوکھے ٹکڑے لے کر انہیں پانی کے پیالے میں رکھ کر تر کرتے اور پھر انہیں نمک کے ساتھ کھاتے تھے۔ مین نے ان کو میوہ خریدتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا البتہ کبھی کبھار تربوز، انگور اور کھجور خرید کر روٹی سے کھایا کرتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں جب بھی کوئی اسلامی و اصلاحی جماعت آتی تھی آپؒ اُن کے طعام وقیام کا تمام تر خرچ خود کرتے تھے اور پھر یوں ہوتا تھا کہ اُس جماعت کی روانگی کے بعد آپؒ کو ہفتوں معمولی غذا پر گزارا کرنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ بغداد سے ان کا خرچہ آتا تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے از حد عقیدت و عشق تھا۔ آپؒ اکثر عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرشاری میں مست رہتے تھے۔ آپؒ کے پاس ختم الرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک اور ایک پیالہ تھا۔ آپؒ اُس موئے مبارک کو منہ سے لگاتے، بوسہ دیتے، دونوں آنکھوں پر رکھتے اور اُس کو پانی میں ڈبو کر پیتے اور شفاء حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح پیالہ مبارک کو اچھی طرح دھو کر اس میں پانی پیتے اور خوشی و مسرت محسوس کرتے۔ بعض اوقات شفاء کی خاطر آب زمزم کا استعمال کرتے اور اپنے بدن اور چہرے پر بھی ڈالتے۔ آپؒ کے صاحبزادے صالح کا بیان ہے کہ ’’میں جب کبھی بیمار پڑ جاتا تو میرے والد محترم حضرت امام احمد بن حنبلؒ پیالے میں پانی لے کر اُس پر آیات قرآنی کا دم کرتے اور کہتے کہ اس کو پیو اور چہرے اور ہاتھوں پر ملو۔ اس سے مجھے رب کائنات شفاء دے دیتا۔‘‘(المناقب الامام احمد)

Marfat.com

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے دور میں چند ایسے مسائل زیر بحث آئے جنہیں مسلمانوں میں پیدا ہونے والے نئے نئے فرقوں نے عوام الناس میں پھیلایا۔ ان میں خاص طور پر ایمان کی حقیقت، مسئلہ تقدیر، افعال انسانی وارادۂ الٰہی، گناہِ کبیرہ کی سزا، صفات الٰہی اور دیدار الٰہی قابل ذکر ہیں۔ ان تمام مسائل کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنا واضح اور بلیغ نظریہ ٹھوس دلائل کے ساتھ بیان کیا۔

حافظ ابن الجوزی اپنی کتاب ''المناقب'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی رائے میں ''ایمان عبارت ہے قول وعمل سے، وہ کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ زیادتی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی نیک کام کیا جائے اور کمی اُس وقت ہوتی ہے جب کوئی غلط اور بُرا کام کیا جائے۔ ایسی صورت میں انسان ایمان سے خارج ہو کر صرف اسلام پر قائم رہتا ہے۔ پس اگر وہ توبہ کر لے تو ایمان کی طرف اس کی بازگشت ہو جائے گی۔ آدمی اسلام سے صرف اس وقت خارج ہوتا ہے جب وہ رب کائنات کے ساتھ کسی اور کو شریک کرے یا اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کی بجا آوری کو از روئے سرکشی عمل میں نہ لائے لیکن اگر کسی فریضہ کو اُس نے غفلت اور سستی کے باعث ترک کیا ہے تو یہ رب تعالیٰ کی مرضی ہے کہ چاہے عذاب دے چاہے معاف کر دے۔'' (المناقب صفحہ 168)

مسئلہ قدر اور افعال انسانی کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقدیر کے سامنے کامل سپردگی تھا۔ ''المناقب ابن الجوزی'' میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول درج ہے کہ:

> ''تابعین، ائمہ مسلمین اور فقہا میں سے 70 سے زیادہ نفوس کا اس امر پر اجماع ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس ''سنت'' پر انتقال ہوا وہ رضا بقضاء اللہ تعالیٰ تھی۔ یعنی حکم رب ذوالجلال کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر کا بجالانا۔ اس کے منہیات سے رک جانا اور جو کچھ کرنا صرف رب قادر وقدیر کے لئے کرنا۔ رب رحمٰن ورحیم کی

Marfat.com

قدرت اور خیر و شر پر ایمان رکھنا۔ نیز یہ کہ دین کے معاملہ میں جدل و پیکار سے الگ رہنا۔" (المناقب صفحہ 176)

کبیرہ گناہوں کی سزا کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا نظریہ اور فیصلہ ہے کہ:

"اہل توحید میں سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا خواہ اُس نے کبیرہ گناہوں کا ہی ارتکاب نہ کیا ہو۔ کسی مسلمان کے کسی عمل کو پیش نظر رکھ کر ہم اس کے جنتی اور دوزخی ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہم یہی کر سکتے ہیں کہ مرد صالح کے لئے بھلائی کی امید رکھیں اور گنہگار کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے خائف رہیں اور اس کے لئے بھی رحمت الٰہی کی امید رکھیں۔ جو شخص رب تعالیٰ سے اس حالت میں ملے کہ اس سے گناہ سرزد ہوا ہو لیکن وہ اس پر مصر نہ ہو اور توبہ کر چکا ہو تو بلا شبہ رب تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا کیونکہ وہ اپنے گنہگار بندوں کی توبہ قبول کر لیتا اور ان کی غلطیاں معاف فرما دیا کرتا ہے اور جو شخص اس حالت میں اپنے رب سے ملے کہ اس دُنیا میں اس پر حد جاری ہو چکی اور کئے کی سزا پا چکا ہو تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے، چاہے سزا دے، چاہے معاف کر دے۔" (المناقب صفحہ 174)

صفاتِ الٰہی کے حوالے سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ تھا کہ وہ تمام صفاتِ الٰہی جن کا قرآن مجید اور حدیثِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام صفات سے متصف ہے۔ چنانچہ ان پر بحث و گفتگو کرنا اور ان کی تاویل کرنا ناپسندیدہ امر ہے اور خلافِ سنت ہے۔ جس طرح خدا کی ذات قدیم ہے اور اُس سے پہلے کوئی نہیں تھا اسی طرح رب تعالیٰ کی صفات بھی قدیم ہیں۔

روز قیامت اللہ جل شانہٗ کے دیدار کا مسئلہ بھی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے

Marfat.com

زمانہ میں اُبھرا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ قیامت کے دن دیدار الٰہی کے عقیدے پر کامل یقین اور ایمان رکھتے تھے البتہ وہ اس بحث میں نہیں پڑتے تھے کہ یہ دیدار کس طرح کا ہوگا! وہ اس مسئلہ پر مناظرہ کرنا بھی بدعت خیال کرتے تھے۔ وہ اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے کہ روز محشر رب رحمٰن کی رؤیت ہوگی اور اس طرح ہوگی کہ وہ فانی چیزوں سے مشابہ نہیں ہوگی لیکن رؤیت کی حقیقت اور کیفیت پر بحث مباحثہ یا غور وفکر ہمارے لئے جائز نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ صحابۂ عظامؓ کی قدر ومنزلت اور تعظیم وتکریم کو ایک مسلمان کے ایمان کی تکمیل کا لازمی جزو سمجھتے تھے۔ وہ کسی بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی بات کرنے والے شخص کے اسلام کو مشکوک سمجھتے تھے بلکہ سرے سے دائرہ اسلام سے بھی خارج قرار دیتے تھے۔ (المناقب صفحہ 165)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صحابی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم بہت وسیع تھا۔ ان کا فرمان ہے کہ:

''ہر وہ شخص جس نے ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن یا ایک گھنٹہ بھی حاصل کیا اس کا شمار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ اُس نے خواہ کتنی ہی ذرا سی دیر کے لئے یہ شرف کیوں نہ حاصل کیا ہو۔ خواہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک ہی لفظ کیوں نہ سُنا ہو۔ خواہ اُس نے ہادیٔ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپائے جمال پر ایک ہی نظر کیوں نہ ڈالی ہو۔ صحابہ کرامؓ کا یہ گروہ ان تمام لوگوں سے افضل ہے جنہوں نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی۔ چاہے وہ کتنے ہی اعمال حسنہ کے ساتھ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حضور کیوں نہ حاضر ہوں۔ اپنے شرفِ صحبتِ رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے یہ

Marfat.com

لوگ تابعین پر بھی فضیلت رکھتے ہیں اگرچہ وہ کتنے ہی اعمال خیر کے حامل کیوں نہ ہوں۔ پس جس شخص نے اصحاب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کی تنقیص کی یا کسی کے خلاف اپنے دل میں بغض رکھا وہ بدعتی ہے۔" (المناقب ابن جوزی صفحہ 161)

خلیفہ متوکل کے عہد میں لوگوں کا ایک گروہ ایسا قائم ہو گیا تھا جو حضرت علی المرتضیٰؓ سے عداوت رکھتے تھے اور ان کے خلاف ناروا اور ناسزا باتیں بنایا کرتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ پوری شدت، جرأت او راستقامت کے ساتھ ان لوگوں کی باتوں کا رد کیا کرتے تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت اور ان کے مناقب واضح اور برملا بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے کہ:

"منصب خلافت سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی حشمت و تمکنت میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی ذات سے منصب خلافت کو تزئین و آرائش حاصل ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ حدود الٰہی کو قائم کرتے تھے۔ بلا شبہ وہ خلیفۂ برحق تھے۔ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی اور خوش تھے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ ان کے ہمرکاب جہاد کرتے تھے۔ ان کی امامت میں حج کرتے تھے۔ انہیں امیرالمومنین کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ لہٰذا ہم بھی انہیں کے پیروکار ہیں۔" (المناقب لابن الجوزی)

امام وقت اور خلیفۂ وقت کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ تھا کہ:

"امام وقت اور خلیفۂ قائم کی اطاعت واجب ہے۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں اور اسے امیر

Marfat.com

المومنین کہنے لگے ہوں تو کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے
کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں
منازعت کرے۔ ان کی خدمت میں صدقات پیش کرنا جائز
اور نافذ ہے۔ ان کے یا ان کے نامزد کئے ہوئے شخص کے
پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے جس نے ان کے پیچھے نماز
پڑھ کر دُہرائی وہ بدعتی ہے۔" (المناقب الابن جوزی صفحہ 176)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے عملی وتدریسی اشاعت دین کے ساتھ ساتھ قلمی تبلیغ بھی جاری و ساری رکھی۔ آپؒ نے کافی تعداد میں تصنیفات و تالیفات کیں جن کا مقصد ومحور معاشرتی اصلاح اور انسانی فلاح کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ آپؒ کی مشہور کتب میں کتاب العمل، کتاب التفسیر، کتاب الزاہد، کتاب الناسخ والمنسوخ، کتاب المسائل، کتاب الفضائل، کتاب المناسک، کتاب الاعتقاد، کتاب الایمان، کتاب مناقب حضرت علی ابن طالب کرم اللہ وجہ، کتاب التاریخ کے علاوہ "المسند" خاص طور پر شامل ہیں۔

"المسند" احادیث کا وہ مجموعہ ہے جن کی حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے روایت فرمائی ہے۔ اس کی جمع وترتیب کے لئے انہوں نے سخت محنت ومشقت سے کام لیا اور سرزمین خُدا کے جس کونے سے بھی انہیں کسی حدیث کا علم ہوا وہ وہاں پہنچے اور پوری تحقیق وجستجو کے ساتھ احادیث کو جمع کیا۔ "المسند" کی جمع وترتیب کا کام حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تحصیل کے ساتھ ہی شروع کر دیا تھا۔ علماء سنت اس حقیقت کے معترف ہیں کہ المسند کی جمع وترتیب کا کام حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے 180 ہجری ہی میں شروع کر دیا تھا جب انہوں نے تحصیل حدیث شروع کی تھی۔ اس وقت ان کی عمر 16 برس تھی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے "المسند" کے بارے میں فرمایا کہ:

"یہ کتاب میں نے لوگوں کی رہنمائی کے لئے لکھی ہے۔
جب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں لوگوں
کے مابین کوئی اختلاف رونما ہو گا تو وہ اس کی طرف رجوع
کریں گے۔"

Marfat.com

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ''المسند'' کی جمع و ترتیب میں اس درجہ منہمک رہے کہ اس کی تبویب و تنظیم کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ مسودات کی صورت میں اوراق متفرقہ کا یہ مجموعہ ان کے پاس موجود تھا۔ یہاں تک کہ انہیں قربِ اجل کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹوں اور مخصوص لوگوں کو اکٹھا کیا اور جو کچھ خود لکھا تھا اُسے املا کرا دیا۔ ''المسند'' کے مقدمہ میں شمس الدین الجزری لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے المسند کی جمع و ترتیب کا کام شروع کیا۔ اُسے الگ الگ ورق میں لکھا۔ پھر اُسے جُدا جُدا اجزاء میں تقسیم کیا یہاں تک کہ اُس نے ایک مسودہ کی صورت اختیار کر لی۔ پھر قبل اس کے کہ ان کی آرزو پوری ہو، پیام اجل آ پہنچا تو انہوں نے اپنی اولاد اور دوسرے مخصوص افراد کو پہلی فرصت میں اسے سنا ڈالا اور قبل اس کے کہ اس کی تہذیب مکمل ہوتی وہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے اور مسودہ جوں کا توں قائم رہا۔ پھر ان کے صاحبزادے عبداللہ نے اسے ایک خاص شکل دی۔''

ابن عدی کہتے ہیں کہ:

''عبداللہ نے ''المسند'' کے ذریعہ اپنے والد کے علم کو حیات دوام بخشی جس کی باپ نے بیٹے کے سامنے خصوصی طور پر قرأت کی تھی۔ عبداللہ نے کسی سے کوئی حدیث اگر لکھی ہے تو محض اپنے والد محترم کی اجازت سے۔''

''المسند'' کا موجودہ متداول نسخہ وہی ہے جو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند ارجمند عبداللہ کا مرتب کردہ ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے والد محترم کی جمع کی ہوئی بکھری حدیثوں کو ایک خاص اسلوب پر جمع کیا ہے۔ ہر صحابی کی مسند الگ ہے اور بعض مماثل احادیث بھی درج کی گئی ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے حدیث کے علاوہ فقہ میں کوئی اہم کتاب نہیں لکھی البتہ مناسک کبیر اور مناسک صغیر کے عنوان سے فقہ کے بعض موضوعات پر کچھ تحریریں چھوڑی ہیں کیونکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ ان سے فتوے نقل کئے جائیں یا اُن کی تدوین کی جائے یا اُن کے نام سے انہیں مشتہر کیا جائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے عرض کی ''یا حضرتؒ! میں

Marfat.com

آپؒ کے بیان کردہ مسائل فقہیہ کو لکھ لینا چاہتا ہوں" حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا "ہرگز نہ لکھو۔ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ فقہی مسائل پر میری رائے قلم بند کی جائے۔ میں اس وقت کسی مسئلہ پر کچھ کہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ مزید تحقیق کے بعد کل اس رائے سے رجوع کرلوں جو آج میں نے قائم کی ہے۔"

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں وہ شاگرد بھی ہیں جنہوں نے ان سے صرف حدیث کی روایت کی ہے اور وہ شاگرد بھی ہیں جنہوں نے حدیث وفقہ دونوں کی روایت کی ہے اور ایسے شاگرد بھی ہیں جنہوں نے صرف فقہ کی روایت کی ہے۔ صاحب کتاب "المنہج" نے ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ بتائی ہے۔ ان میں صالح بن احمد بن حنبلؒ، ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی الاثرم، عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ، عبدالملک بن عبدالحمید بن مہران المیمونی، احمد بن محمد بن الحجاج ابوبکر المروذی، حرب بن اسماعیل الحنظلی الکرمانی، ابراہیم بن اسحاق الحربی، احمد بن محمد بن ہارون ابوبکر الخلال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دین کے معاملے میں بدعت سے دور رہنا فقہ امام احمد بن حنبلؒ کا ممتاز اور منفرد پہلو ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کبھی کوئی ایسا فتویٰ نہیں دیا جو اُس امر سے متعلق ہو جو حقیقتاً واقع نہ ہوا ہو۔ آپؒ صرف ضرورت کے وقت ہی فتویٰ دینے کے قائل تھے اور ایسے مسائل میں جو درحقیقت واقع نہ ہوئے ہوں فتویٰ دینا غیر ضروری سمجھتے تھے سوائے اس صورت کے کہ پہلے سے کوئی حدیث یا کسی صحابیؓ کا فتویٰ موجود ہو۔ ایسی صورت میں فتویٰ دینا علم سلف کی اشاعت وتبلیغ کا فریضہ سمجھتے تھے کیونکہ سلف کے فتاویٰ امور واقعی سے متعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ میں فرضی مسائل نہیں ملتے۔

فتویٰ دینے والے شخص یعنی مفتی کے لئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے پانچ شرائط مقرر کی ہیں۔ جو شخص ان شرائط پر پورا اُترتا ہو صرف وہی فتویٰ دے سکتا ہے۔

(۱) مفتی کی نیت خالص اور پاکیزہ ہو۔

(۲) مفتی صاحبِ علم وحلم ہو اور وقار وسکینت سے متصف ہو۔

Marfat.com

(۳) مفتی خود مکتفی اور مستغنی ہو۔

(۴) مفتی کا علم اس قدر مضبوط ہو کہ وہ پیش آمدہ مسئلہ کے تمام زاویوں پر گہری نگاہ ڈال سکے۔

(۵) مفتی لوگوں کی ذہنیت اور دیگر کوائف سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہو۔

(اعلام الموقعین جلد چہارم صفحہ 173)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی وفات بارہ ربیع الاول 241 ہجری جمعۃ المبارک کے روز ہوئی۔ مرض کی ابتداء 2 ربیع الاول کو ہوئی۔ 9 دن بیمار رہے۔ اس دوران لوگ جوق در جوق عیادت کے لئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس آتے رہے۔ آپؒ کی بیماری کی خبر جوں جوں پھیلتی گئی لوگوں کا ہجوم بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ حکومت نے دروازہ اور گلی پر پہرہ بٹھا دیا۔ زائرین اور ملاقاتیوں کی بھیڑ مسجدوں اور گلیوں میں جمع ہونے لگی تو خرید وفروخت اور آمد ورفت میں خلل پڑنے لگا۔ امیر بغداد ابن طاہر نے اپنے قاصد کے ذریعے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو پیغام بھیجا کہ "میں آپؒ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" آپؒ نے جواباً فرمایا "میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا وقت بالکل آخر تھا تو آپؒ فرمارہے تھے "دور ہو، دور ہو" لوگوں نے پوچھا "یا حضرت! یہ آپؒ کسے فرمارہے ہیں؟" آپؒ نے بتایا کہ "شیطان گھر کے کونے میں بیٹھا ہے اور میں اُسے کہہ رہا ہوں دور ہو جا۔ وہ کہتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے میرا خیال فراموش کر دو اور میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں میں اس وقت تک تجھ سے غافل نہ ہوں گا جب تک میری روح میرے جسم سے توحید پر نہ نکلے۔"

اس کے بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا "مجھے وضو کرا دو" چنانچہ انہیں وضو کرایا گیا۔ اس دوران وہ برابر رب وحدہٗ لاشریک کا ذکر کرتے رہے۔ جیسے ہی وضو مکمل ہوا تو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ سارا بغداد جنازہ کی شرکت کے لئے ٹوٹ پڑا۔ جمعہ کے بعد جنازہ نکالا گیا۔ نماز جنازہ میں بے پناہ لوگ تھے۔ میدان کے علاوہ لوگوں نے دجلہ میں کشتیوں میں، بازاروں میں، گلی کوچوں میں نماز جنازہ پڑھی۔ نماز جنازہ کی جگہ ماپ کر اندازہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ چھ لاکھ سے زائد لوگ جنازہ میں شریک تھے۔ انتقال

Marfat.com

کے وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی عمر مبارک 77 سال تھی۔

(المناقب، تاریخ بغداد، تاریخ ابن عساکر، طبقات الشافعیہ)

ایک دفعہ ایک صاحب نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو متفکر بیٹھے ہوئے دیکھ کر پوچھا "حضرت! کیوں غمگین ہو؟" آپؒ نے فرمایا "خوشی اس شخص کے لئے ہے جس کا ذکر جمیل رب رحمٰن ورحیم دُنیا میں باقی رکھے۔" اور چشم فلک گواہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ذکر جمیل اس دُنیا میں لمحۂ موجود تک باقی ہے اور انشاء اللہ روز قیامت تک باقی رہے گا۔

Marfat.com

آئمہ اربعہ

پروفیسر خالد پرویز

BEACON BOOKS

Marfat.com